"خیریت؟" عصرہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس نے جواب دیے بنا فون کان سے لگایا اور پھر دہیں ٹہلتے ہوئے بات کرنے لگا۔

"عالم صاحب.... پلیز ابھی اسی وقت پولیس اسٹیشن جائیں۔ مجھے نہیں معلوم مگر میرا خیال ہے مسجد انڈیا والے اسٹیشن میں تالیہ مراد کو لے جایا گیا ہے۔ پلیز جا کے ضمانت وغیرہ جو بھی کروانا ہے' کروائیں۔"

عصرہ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔ ریموٹ کا بٹن دبا کے ٹی وی کو خاموش کر دیا۔

"تالیہ گرفتار ہو گئی۔"

"ہاں۔" وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ الجھا الجھا۔ پریشان سا۔ "میری وجہ سے اس بے چاری کو نشانہ بنایا گیا ہے۔"

"چچ چچ.... یہ تو بہت برا ہوا۔ اور ہاں تم نے اس کا دیا ہوا کیک بھی نہیں کھایا۔"

فاتح نے برہمی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ "وہ گرفتار ہو گئی ہے اور تمہیں کیک کی پڑی ہے۔"

عصرہ نے گہری سانس لے کر اس کو غور سے دیکھا۔ "تم ہو نا اس کی فکر کرنے والے۔ پھر مجھے کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی۔ وکیل بھیج رہے ہو۔ خود بھی پہنچ جاؤ گے۔ کافی ہے۔" وہ پیروں میں سلیپرز گھسیٹتی اٹھی اور کچن کی طرف جانے لگی۔

فاتح نے ناگواری بھرے تعجب سے اسے جاتے دیکھا۔ "میرا خیال تھا تم اس کو پسند کرتی ہو۔"

عصرہ رکی' اور پلٹ کے اسے گھورا۔ "ظاہر ہے میں اسے پسند کرتی ہوں۔ اسے ناپسند کون کر سکتا ہے؟" وہ کچن میں گئی اور تھوڑی دیر بعد کیک کی پلیٹ لئے واپس آئی اور پٹخنے کے انداز میں پلیٹ میز پہ رکھی۔

"کھا لینا۔ اس نے بہت تاکید کی تھی۔ اگر میں پیغام نہ دوں تو بری بنوں گی اس لئے میرا فرض تھا بتا دینا۔" جتا کے بولی اور پیر پٹخ کے آگے بڑھ گئی۔

وہ کیک کو نظر انداز کر کے لاؤنج میں بنے بک شیلف تک آیا جہاں اس کی قانون کی کتب سجاوٹ کے طور پہ اوپر والے خانے میں رکھی تھیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے چند کتب نکالیں اور انہیں میز پہ پھیلا کے بیٹھ گیا۔

کتنا وقت گزرا اسے نہیں معلوم۔ وہ بس صفحے پلٹتا تا'مطلوبہ توانین اور شقیں پڑھتا رہا۔ دفعتاً فون بجا۔ عالم صاحب تھے۔ اس نے چھوٹتے ہی فون کان سے لگایا۔

"فاتح' میں نے تمام تھانوں میں کال کی ہے۔ خود بھی ایک دو جگہ گیا ہوں۔ یہاں تو کسی تالیہ کو نہیں لایا گیا۔"

"اچھا؟ خیر پراسیکیوٹر...." ماتھے کو چھو کے نام یاد کرنے کی کوشش کی۔ "احمد نظام کو کال کرو۔ وہ گرفتاری کے وقت وہاں

موجود تھا۔"

"ہاں میں اس کو جانتا ہوں مگر اس کا فون آف جا رہا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔تم ہر تھانے جاؤ اور بذاتِ خود چیک کرو۔وہ کہیں تو ہوگی۔"

اس نے فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔دولت امان کالنگ۔فاتح کے چہرے پہ تعجب ابھرا۔دولت امان؟اس وقت؟ البتہ کال سنتے ہی اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔دولت امان اسے بتا رہا تھا کہ وہ تالیہ کے کیس کا تفتیشی آفیسر ہے اور وہ اس معاملے کو ختم کروانے تھانے جا رہا ہے۔ابھی تھوڑی دیر میں وہ تالیہ سے اس کی بات کروائے گا۔

سکون اور تشفی کا عجیب سا احساس تھا جو اسے محسوس ہوا۔فاتح نے پیر میز پہ قینچی صورت رکھے اور ٹیک لگا کے اس کی اگلی کال کا انتظار کرنے لگا۔

وہ کال قریباً آدھے گھنٹے بعد موصول ہوئی۔دولت جلدی میں لگ رہا تھا اور تالیہ محض چند الفاظ ہی بول پائی تھی مگر وہ ٹھیک تھی۔وہ محفوظ تھی۔یہ خیال اس کے بے چین وجود کو شانت کر گیا تھا۔فون رکھ کے فاتح نے کتابیں بند کیں۔یہ پھیلاوا صبح ملازموں نے ہی سمیٹنا تھا۔

(تالیہ ہوتی تھی تو آفس کا سارا پھیلاوا منٹوں میں سمیٹ لیتی تھی۔)

یونہی وہ بات بے بات یاد آتی تھی۔اس نے سر جھٹکا اور اٹھنے لگا۔پھر کیک پیس پہ نظر پڑی جو پلیٹ میں چمچ کے ساتھ سجا اس کا منتظر تھا۔فاتح مسکرا دیا اور اسے اٹھا لیا۔یہ تالیہ کے بچ جانے کی سیلیبریشن کا کیک تھا۔اسے یہ کھانا چاہیے تھا۔

چمچ سے اس کو کھاتے ہوئے اب وہ اٹھ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔کیک واقعی لذیذ تھا۔اندر تک گھل جاتا تھا۔

لاشعوری طور پہ اسے تالیہ کی کال کا انتظار رہا تھا جو پھر ساری رات موصول نہیں ہوئی۔

☆☆=========☆☆

پہلا دن:۔

اس صبح وان فاتح کی رہائشگاہ کی گھاس شبنم کے قطروں سے لبریز تھی اور پھولوں کی خوشبو نے پورچ کو مہکا رکھا تھا۔وان فاتح اپنے سوٹ ٹائی میں ملبوس، سنجیدہ چہرہ بنائے کار کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں گارڈز اور ڈرائیور تیار کھڑے تھے جب اس کا باڈی مین قریب آیا۔

"سر....یہ پرائیکیوٹر صاحب گھنٹے بھر سے باہر آئے کھڑے ہیں۔"اس نے گیٹ کی طرف اشارہ کیا تو فاتح رکا اور چونک

کے اس طرف دیکھا۔

گیٹ کے ساتھ اندر کی طرف احمد نظام کھڑے تھے۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے گویا چند منٹ درکار ہوں۔ وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے اور لب بھنچ گئے۔ وہ ان کی طرف آیا۔

"تسلی ہوگئی آپ کی ایک نہتی لڑکی کو یوں پھنسا کے؟ وہ تو شکر ہے کہ وہ اس سب سے نکل گئی ورنہ آپ دیکھتے کہ میں کس طرح اس معاملے کو ہر فورم پہ اٹھاتا۔"

احمد نظام نے شکستگی سے اس کا برہم چہرہ دیکھا۔ "وہ اس میں سے نہیں نکلی ابھی۔"

"اوہ پلیز.... مجھے دھمکانے کی کوشش مت کریں۔ اگر آپ نے اسے دوبارہ پھنسایا تو....."

"وہ ابھی تک ان کی تحویل میں ہے' فاتح صاحب۔ تالیہ آج سے ایک مسنگ پرسن بن چکی ہے۔"

وہ زور دے کر بولے تو وان فاتح نے بھنویں بھینچیں۔ وہ دھوپ میں کھڑا تھا۔ احمد نظام کو اس کی آنکھوں کا رنگ سنہری نظر آ رہا تھا۔

"میری کل اس سے بات ہوئی ہے۔ وہ ٹھیک تھی اور گھر جا رہی تھی۔"

"وہ گھر نہیں پہنچی۔ بلکہ تھانے میں دولت امان اور اس کے اہلکار پہنچ گئے تھے اور وہ اس کو لے گئے ہیں۔" وہ تیز تیز بولتے پھولے تنفس کے ساتھ ساری روداد سناتے گئے۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے دھوپ میں کھڑا سنتا گیا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری اس سے بات ہوئی ہے۔ وہ ٹھیک تھی۔ وہ دولت کے ساتھ تھی۔"

"دولت امان صوفیہ رحمٰن کا آدمی ہے۔ آپ کا دوست وہ کسی زمانے میں تھا۔ وہ تالیہ کو کسی نامعلوم جگہ پہ لے گیا ہے اور ایس بی والے ایسا صرف ایک صورت میں کرتے ہیں۔ جب انہیں کسی شخص کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ وہ تالیہ کو آپ کے خلاف استعمال کرنا چاہیں گے۔ اسے ٹارچر کریں گے' اس کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے مجھے بھی لاک اپ میں بند کر دیا تھا۔ وہ تو صبح میرے کزن اور اس کی بیوی کی خبر آئی تو..." انہوں نے سر جھکا۔

"اور آپ کو اتنی فکر کیوں ہے؟ آپ کی وجہ سے تو وہ اس سب میں پھنسی ہے۔"

"اسی لئے مجھے اس کی فکر ہے کیونکہ وہ میری وجہ سے اس میں پھنسی ہے۔" وہ شکست خوردگی سے کہہ رہے تھے۔ "وہ لڑکی سچ بول رہی تھی۔ میرے تفاخر اور انا نے مجھے اصل تصویر دیکھنے نہیں دی۔ آپ دولت امان سے بات کریں اور اس پہ زور دیں کہ وہ تالیہ کو چھوڑ دے ورنہ یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ یہ انسان کو عجیب طریقے سے ٹارچر کر کے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔"

فاتح نے مشتبہ نظروں سے احمد نظام کا چہرہ دیکھا۔ ''مجھے آپ کی بات پہ یقین نہیں ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔ اور اگر نہ ہوئی تو اس کی فکر کرنے کے لئے میں کافی ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں۔'' سرد مہری سے کہہ کے وہ واپس کار کی طرف بڑھ گیا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے اس کے تاثرات بدل رہے تھے۔ وہ ایک دم بہت سی تشویش میں گھر گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے پہ وہ صبح اداس سی اتری تھی۔ گھاس' اونچی کھڑکیاں اور اندر لاؤنج کی فضا' ہر شے میں اداسی رچی بسی تھی۔

داتن لاؤنج میں ٹہلتی پریشانی سے فون بار بار ملا رہی تھی اور سامنے صوفے پہ بیٹھا ایڈم خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کہاں چلی گئی ہے تالیہ؟''

''اب آپ ان کو کور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' وہ بالآخر پھٹ پڑا۔ ''وہ آ نہیں سکیں تو اب آپ دونوں بہانہ بنا دیں گی کہ فلاں کام تھا فلاں مسئلہ تھا۔ اصل میں آپ لوگوں کے نزدیک ایڈم کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔''

''او رونکھی ہیروئن..... ذرا تھوڑی دیر کے لئے اپنی چیخ چیخ بند کرو۔ میں پریشان ہوں بہت۔'' داتن غرا کے بولی مگر ایڈم پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

''ان سے کہیں' چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں ان کو کل کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ کشن گود میں رکھے' ناراض سا بیٹھا تھا۔ داتن نے بس اسے گھورا اور دوبارہ نمبر ملانے لگی۔

''تالیہ بہت کم ایسے کرتی ہے۔ اور جب بھی ایسے کرتی ہے وہ کسی مسئلے میں ہوتی ہے۔ اس کی کار باہر کھڑی ہے۔ تو وہ خود کہاں ہے؟''

''بناتی جائیں بہانے۔ میں آپ دونوں کے ہر Con اور ہر کور اسٹوری سے واقف ہوں۔'' ناراض ہیروئن منہ بنائے کہہ رہا تھا۔

تبھی ڈور بیل بجی تو جہاں داتن تیزی سے دروازے کی طرف لپکی' وہیں ایڈم نے مزید ناراض چہرہ بنا کے رخ بالکل موڑ لیا۔ آج وہ تالیہ کی کوئی تاویل' کوئی بہانہ' کچھ نہیں سنے گا۔ آج تالیہ کو یہ طے کرنا ہوگا کہ اس کی زندگی میں ایڈم بن محمد کی جگہ تھی یا نہیں۔

چند لمحے گزرے اور اسے واپس آتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

''بولیے محترمہ... میری بک لانچ میں نہ آنے کا کیا بہانہ ہے آپ کے پاس؟'' اس نے خفگی سے رخ موڑا مگر اگلے ہی پل وہ کشن ہٹا کے تیزی سے اٹھا۔

داتن کے ساتھ اندر آنے والا شخص وان فاتح تھا۔ بی این کا چیئر مین۔ ایڈم ایک دم گڑبڑا گیا۔

"تم ادھر؟" فاتح نے پتلیاں سکوڑ کے ایڈم کو دیکھا۔ اسے جیسے اس کو یہاں دیکھ کے تعجب ہوا تھا۔

"میں۔۔ میں چے تالیہ سے ملنے آیا تھا۔ کہاں ہیں وہ؟"

فاتح نے باری باری ان دونوں کے منتظر چہرے دیکھے۔ پھر کھنکھارا۔

"کل رات۔۔۔۔۔ تمہاری کتاب کی تقریب سے اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا مگر بعد میں۔۔۔۔۔"

وہ صبح تک کی ساری روداد سنا تا جا رہا تھا اور ان دونوں کے چہرے سفید پڑ رہے تھے۔

"چے تالیہ گرفتار ہو گئی ہیں؟" وہ بت بنا کھڑا تھا۔ داتن دل پہ ہاتھ رکھے صوفے پہ گر سی گئی تھی۔

"میں کافی دیر سے دولت کو کال ملا رہا ہوں مگر اس کا فون آف ہے۔ احمد نظام درست کہہ رہا تھا۔ وہ لوگ تالیہ کو لے گئے ہیں۔ کہاں۔ کسی کو نہیں معلوم۔ مجھے اندازہ تھا کہ آپ لوگ اسکی واحد فیملی ہیں۔ مجھے آپ کو خبر دینی چاہیے۔ اس کی کار بھی میں نے کل ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دی تھی۔"

وہ بہت ضبط اور تحمل سے بتا رہا تھا۔

چند لمحے لاؤنج میں خاموشی چھائی رہی۔ داتن صدمے سے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اور پھر۔۔۔۔ ایڈم کی زخمی آواز نے خاموشی کو مجروح کیا۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے" وہ ایک دم چلا کے بولا۔ "آپ کی وجہ سے وہ اس مصیبت میں پھنسی ہیں۔ آپ کے لئے انہوں نے کیا نہیں کیا اور آپ نے کیا کیا؟" افسوس سے فاتح کو دیکھا۔ "آپ تو ان کو یاد بھی نہیں رکھ سکے۔"

"مجھے معلوم ہے یہ اس کے ساتھ میری وجہ سے ہوا ہے۔" وہ سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ "یہ اس پہ کون وومن اور چور ہونے کے الزامات لگنا۔۔۔۔ یہ مقدمہ۔۔۔۔"

"وہ الزامات جھوٹے نہیں ہیں۔" داتن شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ کے غرائی تو فاتح نے دھیرے سے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ "تالیہ ایک چور ہے فاتح صاحب اور ہمیں اس پہ فخر ہے۔ ہم نے اس کو اس کے اصل کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔ آپ نے کیا کیا ہے اس کے لئے؟"

"وہ۔۔۔ چور۔۔۔ نہیں ہے۔" وہ ایک دم جھڑک کے بولا تو داتن اس کے سامنے کھڑی ہوئی اور غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آج آپ یہ راز جان ہی لیں پھر۔ تالیہ ایک چور ہے۔ ایک اسکامر ہے۔ ایک کون وومن ہے۔ اب کیا آپ اس سے

نفرت کرنے لگ جائیں گے؟ اس کو ڈس اون کر دیں گے؟ کیونکہ آپ اونچے شملے والے لوگ بہت پارسا ہوتے ہیں۔کسی کرمنل سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے۔"

"داتن ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ایڈم زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔" آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت نے چے تالیہ کو یہ دن دکھایا ہے اور آپ نے ان کے لئے سوائے اس دولت کے کسی کو کال نہیں کی۔خفیہ ایجنسی کسی کو اغوا کر کے لے جاتی ہے اور آپ بی این کے صدر ہوتے ہوئے ایک پریس کانفرنس تک نہیں بلا سکے۔اس لئے آپ کو چے تالیہ کے لئے فکرمندی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ہم ان کو خود ڈھونڈ لیں گے۔"

فاتح نے باری باری ان دونوں کا چہرہ دیکھا اور پھر....اسی ٹھنڈے انداز میں ایڈم کو مخاطب کیا۔

"جانتے ہو میں تالیہ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" اس کی مضبوط آواز بنگلے کی دیواروں سے ٹکرائی۔"میں اس پہ 'یقین' کر سکتا ہوں۔تم لوگ اب بھی اس کو Con Woman کہتے ہو جب کہ وہ اس راستے کو چھوڑ چکی ہے۔تمہیں کیا لگتا ہے میں نہیں جانتا وہ ماضی میں کیا کرتی تھی؟ مجھے سب اندازہ ہے مگر میں اپنی پوری سچائی سے یہ کہہ سکتا ہوں ایڈم....کہ وہ لڑکی چور نہیں "ہے۔" وہ ماضی میں جو بھی تھی "اب" وہ ایک سچی اور ایماندار لڑکی ہے۔تم لوگ اس کو مجھ سے بہتر جانتے ہو گے مگر جس تالیہ کو میں جانتا ہوں اس تالیہ کو سزا میں ہونے نہیں دوں گا۔"

چند لمحے کے لئے ایڈم کچھ بول نہ سکا۔اس کا ٹھنڈا اور مضبوط انداز اس کو لاجواب کر گیا تھا۔

"اور تم دونوں کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔"

ایڈم کے لبوں پہ ایک تلخ مسکراہٹ در آئی۔

"ظاہر ہے...آپ کو انہیں ڈھونڈنا ہو گا کیونکہ صوفیہ رحمٰن ان کو آپ کے خلاف استعمال کر سکتی ہیں۔بس اسی لیے ڈھونڈنا چاہتے ہیں آپ چے تالیہ کو تاکہ انہیں چپ کروا سکیں۔"

فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔کیونکہ تالیہ کبھی مجھے ڈس اون نہیں کرے گی۔چاہے وہ میرے ساتھ موجود نہ ہو....چاہے وہ میری بیک سائٹنگ پہ نہ آئے (زور دے کے کہا) میں کبھی یہ نہیں سمجھوں گا کہ وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی ہے کیونکہ اتنا تو انسان کو اپنے دوستوں پہ یقین ہونا چاہیے۔" وہ اسی ٹھنڈے انداز میں جتا کے بولا تھا اور ایڈم بن محمد پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔

وہ بالکل شل رہ گیا تھا۔

اس ایک لمحے میں ایڈم کی پانچ سو ستاون برس کی کہانی کو کنارہ مل گیا تھا۔

اس ایک فقرے نے اسے سمجھا دیا تھا کہ مستقبل کا بندا ہارا اور ماضی کی شہزادی ایک دوسرے کے لئے بنے تھے۔ وقت اور قانون کے چکران کو الگ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان دونوں کو ایک دوسرے پہ یقین تھا۔

بھلے زمانے بیت جائیں... یاداشتیں کھو جائیں... قید کی زنجیریں درمیان میں حائل ہوں... سیاست کی مصلحتیں یا غلط فہمیاں راستہ کاٹیں... فاتح اور تالیہ ایک دوسرے کو ہمیشہ ڈھونڈ لیتے تھے۔

اب کہ وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی۔ "اگر وہ حکومتی ایجنسی کی قید میں ہیں تو اب ہم ان کو کیسے ڈھونڈیں؟"

"ہم؟ کون ہم؟" وہ اسی سنجیدگی سے کندھے اچکا کے بولا۔ "میں... بی این کا چیئر مین... وان فاتح بن رامزل... میں اس کو خود ڈھونڈ لوں گا۔ تم پریشان مت ہو۔"

اور وہ مڑ گیا۔ ایڈم اور رداتن اسے لمبے ڈگ بھرتے باہر جاتے دیکھتے رہے۔

ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

وہ شام سارے کے ایل کو اداس کر کے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ سرما کی آمد آمد تھی اور موسم کافی خوشگوار ہو چکا تھا۔ کے ایل کا سرما ایسا نہ تھا کہ گرم کپڑے پہنے جائیں بس گرمی چلی جاتی تھی اور ہلکی سی ٹھنڈ آ جاتی تھی۔

دولت امان اس شام جب اپنے گھر میں داخل ہوئے تو سامنے لابی کی سیڑھیوں کے ساتھ کھڑی اس کی بیوی نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔ "فاتح صاحب آئے ہوئے ہیں۔ ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہیں۔ آپ کا فون آف تھا اس لئے بتا نہیں سکی۔"

دولت کے چہرے پہ سنجیدگی پھیل گئی۔ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ٹانگا اور کف کھولتے ہوئے اندر کی طرف آیا۔ ڈرائنگ روم تک پہنچتے ہوئے اس نے چہرے پہ رسمی مسکراہٹ طاری کر لی۔

"فاتح... تم کب آئے۔"

بڑے صوفے پہ وان فاتح ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ سنجیدہ چہرے اٹھا کے اس پہ ایک نظر ڈالی۔

"تالیہ کہاں ہے؟"

"وہ ہم ڈسکس کر لیتے ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ چائے لو گے یا کافی؟" وہ بشاشت سے کہتا سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تو فاتح کے ماتھے کے بل گہرے ہوتے گئے۔

"میں یہاں چائے پینے نہیں آیا۔ تم نے کل تالیہ سے میری بات کروائی تھی مگر وہ گھر نہیں پہنچی۔ تم لوگوں نے اسے گرفتار

یا اغوا کر کے رکھا ہے' میں سمجھ گیا ہوں۔"

"فاتح..... اٹس مائی جاب۔"

"اور میری جاب جانتے ہو کیا ہے؟ میں پارلیمان کے فلور پہ کھڑا ہو کے اہم مسئلوں پہ آواز اٹھانے کا عادی ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے' میں اس مسئلے کو غیر اہم سمجھتا ہوں؟"

دولت نے گہری سانس لی اور دونوں ہاتھ اٹھا کے تحمل سے کہنے لگا۔ "میں اوپر سے آنے والے احکامات کا پابند ہوں۔ وزیر اعظم صاحبہ کو اس سے ایک کام کروانا ہے اور اس کے بدلے میں وہ اس کو مکمل Immunity دے رہی ہیں۔"

"کون سا کام؟ میرے خلاف گواہی؟ ہے نا؟" وہ تلخی سے اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

"ساری دنیا تمہارے گرد نہیں گھومتی' فاتح۔ اس سب کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ چند لمحے ان کو گھورتا رہا۔ ڈرائنگ روم کی زرد بتیوں میں وہ دولت امان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"اور تالیہ اس ڈیل کے لئے مان گئی ہے؟"

"وہ..... سوچ رہی ہے ابھی۔"

"اوہ.... اور مجھے معلوم ہے وہ کیسے سوچ رہی ہو گی۔" اس کے کان شدتِ طیش سے سرخ پڑنے لگے۔ "تم لوگوں نے اسے کسی جگہ قید کر رکھا ہو گا اور شدید ذہنی دباؤ سے گزار رہے ہو گے۔"

"وہ سوچ رہی ہے اور جس دن وہ فیصلہ کر لے گی کہ اسے اس قید سے نکلنا ہے' ہم سب برابر والے کمرے میں اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ایک دن ہی تو گھسائی ہے اسے تالے میں۔"

فاتح نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور حیرت بھرے صدمے سے اسے دیکھا۔

"تم اس کا امتحان لے رہے ہو؟ اس کو فراڈ ثابت کرنے کے لئے؟"

"نہیں۔ صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اپنی آزادی کے لئے کس حد تک جا سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کے لئے ہماری ڈیل ماننا آسان ہو گا۔"

ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ اوپر جلتے فانوس چپ چاپ نیچے صوفوں پہ بیٹھے دونوں آدمیوں اور ان کے درمیان چھائے تناؤ کو دیکھتے رہے۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ جب تک وہ خود اس قید سے نہیں نکلتی' اس سے کوئی نہیں مل سکتا۔"

"تمہارے خیال میں اسے اتنے دن میں تمہارے پاس رہنے دوں گا؟ میں ابھی ایک ٹویٹ کروں تو....."

"تو سارا ملک جان جائے گا کہ تالیہ مراد ایک چور ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم پبلک میں اس قصے کو اٹھاؤ گے تو وہ بدنام نہیں ہو گی؟ ہم اسی چیز سے اسے بچا رہے ہیں۔ وزیراعظم کی کانفیڈینشل پارڈن اس کو ساری عمر کے لئے سابقہ جرائم سے محفوظ کر لے گی اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہو گا۔ البتہ اگر تم اس معاملے کو میڈیا میں لے کر گئے تو تالیہ ہمارے لئے ناکارہ ہو گی۔ ہم اس کے خلاف انویسٹی گیشن شروع کر دیں گے اور ڈیل کی بات ہی ختم کر دیں گے۔"

وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ بس ماتھے پہ بل ڈالے تندہی سے دولت کو دیکھتا رہا۔

"تو صوفیہ رحمن اس کو محفوظ راستہ دے گی؟ میں کیسے یقین کروں اس کی بات کا؟"

"تم میرا یقین کر سکتے ہو۔ تم مجھے جانتے ہو۔"

"کوئی کسی کو بھی نہیں جانتا ہوتا۔" وہ تلخی سے بولا تھا۔ دولت نے گہری سانس لی۔

"وہ چند دن میں اپنے گھر واپس آ جائے گی۔ تم سوائے اسکا انتظار کرنے کے اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ تم احتجاج کر کے یا لوگوں کی نفری لے کر بھی پہنچ جاؤ تو تم سرکاری تحویل سے کسی کو نہیں نکال سکتے۔ اس کی بہتری کے لئے.... حکومتی معافی نامے کے لئے.... تمہیں اس کا خاموشی سے انتظار کرنا ہو گا۔"

فاتح اتنا سن کے اٹھ کھڑا ہوا تو دولت بھی ساتھ ہی اٹھا۔ "چائے تو پی لو۔"

"میں اس شخص کے گھر کیسے چائے پی سکتا ہوں جس نے میری....." وہ رکا۔ کوئی سابقہ، لاحقہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ دولت نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے ابرو اٹھائی۔

"تمہاری؟"

"....میری دوست کو حبسِ بے جا میں رکھا اور معلوم نہیں اس کو کس طریقے سے ٹارچر کر رہا ہو گا۔" فاتح دروازے کی طرف بڑھ گیا تو دولت پیچھے سے کھنکھارا۔

"یو نو.... مرد اور عورت کبھی دوست نہیں بن سکتے۔"

وان فاتح چوکھٹ پہ ٹھہرا اور گہری سانس لی۔ "بن سکتے ہیں۔" اور مڑ کے ایک تیز نظر دولت پہ ڈالی۔ "مگر مسئلہ یہ ہے کہ اکثر ان میں سے ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔"

یہ اعتراف کا وہ بے خوف مقام تھا جہاں وان فاتح کو کچھ کھونے کا ڈر نہیں تھا۔

لمحے بھر کو وہاں سناٹا چھا گیا۔

"تالیہ نے میرے لیے خود کو غیر محفوظ کر دیا۔تم تصور کرو کہ اس کو محفوظ کرنے کے لیے میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔"

دولت کے کندھے سیدھے ہوئے۔اس نے چونک کے فاتح کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کے اس کو برہم نظروں سے دیکھ کے اب باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

(تو وہ اپنی بات کر رہا تھا؟ مگر اس کی تو بیوی بھی ہے۔ بچے بھی ہیں۔یا شاید تالیہ درست کہہ رہی تھی۔تفتیش کے دوران اس نے احمد نظام سے کہا تھا کہ وہ وان فاتح کی بیوی ہے۔اف یہ ورک پلیس کی محبتیں اور افیئرز۔)

دولت نے افسوس سے ماتھے کو چھوا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی اتنی بلیک اینڈ وائیٹ نہیں ہوتی۔

☆☆=========☆☆

دوسری رات:۔

وان فاتح کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا شیشے سے باہر رواں ٹریفک دیکھ رہا تھا جو سیاہ سڑک پہ زرد روشنیاں بکھیرے چلتی جا رہی تھی۔بند مٹھی ہونٹوں پہ رکھے وہ بس دور افق کو دیکھے جا رہا تھا۔

آج سارا دن میٹنگز' کانفرنسز' اور آفس کے معاملات وہ بظاہر خوش اسلوبی سے نبھاتا آیا تھا مگر اس کا ذہن تالیہ پہ اٹکا تھا۔وہ کہیں قید تھی۔ سلاخوں کے پار۔وہ مقید تھی اور.....اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے ذہن کے پردے پہ ایک منظر اتر آتا۔

وہ سلاخوں کے اندر بیٹھا تھا.....وہ زخمی تھا اور وہ اس کے ماتھے پہ مرہم لگا رہی تھی۔اس نے سر جھٹکا۔پھر دوسرا منظر ذہن میں ابھرنے لگا۔وہ ایک آدمی کے سامنے کھڑا تھا اور اس کو کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو سمندری سفر پہ نہ بھیجے۔اس کے ہاتھ زنجیروں میں جکڑے تھے۔یہ دونوں خواب اس نے رات میں دیکھے تھے اور بار بار ان کا خیال اسے تنگ کر رہا تھا۔

یہ خواب علامتی تھے کیا؟ اُف یہ وژن.....یہ یادیں.....اس نے کنپٹی سہلائی۔سوچ سوچ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

کار گھر کے گیٹ کے باہر رکی تو وہاں بہت سی گاڑیاں اور گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔فاتح کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"اتنا رش کیوں ہے گھر میں؟"

ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے باڈی مین نے مڑ کے ادب سے بتایا۔"سر.....آج مسز عصرہ نے آپ کے ساتھی پارلیمینٹیرینز کو ان کی بیگمات سمیت مدعو کیا ہے۔آپ بھول گئے؟"

اُف.....اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔"ایسا کرو کار روک لو۔مجھے اندر نہیں جانا۔"

ڈرائیور نے فوراً وہیں کار روک دی تو فاتح باہر نکلا۔ باڈی مین پریشانی سے اس کے پاس آیا۔

''سر! اگر ہم نہیں گئے تو مسز عصرہ بہت خفا ہوں گی۔ وہ مجھے پہلے ہی دس فون کر چکی ہیں۔''

''یونو.... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اس کی تائید کی۔ ''تمہیں ڈنر پہ جانا چاہیے۔ تم جاؤ اور مسز عصرہ سے کہو کہ میں ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کے اس نے ڈرائیور کے ہاتھ سے چابی لی اور اسے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

چند لمحوں بعد وہ کار خود ڈرائیو کر کے وہاں سے جا چکا تھا اور وہ دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

کے ایل کی سڑکوں پہ ٹریفک اسی طرح رواں دواں تھا۔ وہ تھوڑی دور آگے گیا تھا کہ اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے بے زاری سے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ ''ایڈم بن محمد کالنگ۔''

اس کا نمبر اس نے حال ہی میں بک سائننگ ایونٹ کی وجہ سے محفوظ کیا تھا۔

''بولو ایڈم!''

''سر.... چے تالیہ کا کچھ پتہ چلا؟'' اس کی آواز پریشان اور مدھم تھی۔

''ہاں۔ مجھے معلوم ہے وہ کس کے پاس ہے۔ اور ڈونٹ وری وہ محفوظ ہے۔''

''تو وہ گھر کیوں نہیں آ رہیں؟''

''ایڈم.... تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا ہے ناں کہ اس کو وہاں سے نکال لاؤں گا تو وعدہ نبھاؤں گا۔''

صبح کے برعکس اب وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کے وعدوں کا یہی مسئلہ ہے' سر۔ وہ پورے ہو کے زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ بس اس دفعہ کوشش کیجیے گا کہ اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے کچھ قربان نہ کریں۔''

''میں نے پہلے کبھی تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ اس لئے تم میرے بارے میں جج منٹ نہیں دے سکتے۔''

ایڈم تلخی سے ہنسا۔ ''کاش میرے لئے بھی بھولنا اتنا ہی آسان ہوتا۔ یادداشت کا چلے جانا بھی ایک نعمت ہے۔''

فاتح کے پاس اس کی مبہم باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ بس اس نے بیزاری سے کال کاٹ دی۔

چند منٹ بعد وہ ایک درمیانے درجے کے گھر کے سامنے کھڑا ڈور بیل بجا رہا تھا۔ اس نے کوٹ اتار کے کار میں ڈال دیا تھا اور سفید شرٹ کے کف موڑ لیے تھے۔

دروازہ کھلا اور احمد نظام نے باہر جھانکا۔ اسے وہاں دیکھ کے وہ ششدر رہ گئے۔

''آپ؟''

وان فاتح نے ہاتھ سے انہیں ہٹنے کا اشارہ کیا اور داخلی زینے چڑھ کے اوپر آیا۔ احمد نظام فوراً سامنے سے ہٹے اور دروازہ پورا کھول دیا۔

''آیئے۔ پلیز..... اندر آیئے۔'' وہ بی این کے صدر کو اپنے غریب خانے پہ دیکھ کے قدرے بوکھلا گئے تھے۔ وہ اس وقت پاجامے اور کرتے میں ملبوس تھے اور شیو ذرا بڑھی ہوئی لگتی تھی۔ ''آپ کو میرا ایڈریس کیسے.....؟؟''

فاتح اندر آ کے سیدھا ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ فوراً پیچھے آئے۔

''آپ کا ایڈریس پبلک ریکارڈ میں ہے' اور میرے لیے وہ نکلوانا مشکل نہیں تھا۔'' وہ اکھڑے انداز میں کہتا صوفے تک آیا اور بیٹھ کے ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔ انداز سے لگتا تھا وہ اپنے گھر آیا ہے اور احمد نظام سامنے خادم کی طرح شرمندہ سے کھڑے تھے۔

''آپ کو یہاں دیکھ کے.....''

''آپ کے کزن اور ان کی بیوی کی ایکسیڈنٹ میں وفات کا علم ہوا تھا۔ میں ان کی تعزیت کرنے آیا تھا۔'' وہ اسی سنجیدہ اور روکھے انداز میں بولا تو احمد نظام نے گہری سانس لی۔ (تعزیت کے لیے ایسے آیا جاتا ہے کیا؟)

''یہ بہت غیر متوقع تھا۔ گو کہ تالیہ نے مجھے خبردار کیا تھا۔ افسوس کہ میں نے ان کی بات نہیں مانی۔''

''آپ کھڑے کیوں ہیں؟ بیٹھ جائیں۔'' اسی خشک انداز میں گھر کے مالک کو بیٹھنے کا حکم دیا تو وہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئے۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ آئے۔ گھر والے ابھی تک مرحوم کے گھر میں ہیں اس لیے میں آپ کی خاطر....''

"تو آپ کے خیال میں وزیراعظم صاحب کو تالیہ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟" وہ بات کاٹ کے مدعے پہ آ گیا تھا۔

ڈرائینگ روم میں ایک سفید بتی روشن تھی اور اس کی روشنی میں احمد نظام کو وان فاتح ڈسٹرب اور بے چین سا نظر آیا تھا۔ وہ اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔ ان کو اندازہ ہوا کہ وہ دولت سے بات کر چکا تھا اور معاملہ واضح ہو رہا تھا۔

"یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ انہوں نے تالیہ سے کوئی کام لینا ہے۔"

"جی۔ پہلی دفعہ آپ کا اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔" وہ طنز سے بولا تو احمد نظام نے سر جھکا دیا۔

"مجھ سے بڑی بھول ہوئی ہے، فاتح صاحب۔ ستائش کی خواہش انسان کی عقل پہ پردہ ڈال دیتی ہے۔ میں نے خود کو اپنی خواہش کے حوالے کر دیا اور اپنے کان لپیٹ لیے۔ اس غلطی نے مجھے اپنے محاسبے کی توفیق دی ہے اور میں ہر طرح سے اس کا

مداوا کرنے کی کوشش کروں گا۔ تالیہ مراد اگر چور یا کون وومن تھی بھی تو ہمارے پاس اس چیز کا ثبوت نہیں تھا۔ اور جس چیز کا ثبوت ہم نے گھڑا، وہ جھوٹ تھا۔ آپ مجھے اس کے لیے معاف کر دیں۔ میں ہر عدالت میں ان کے حق میں گواہی دینے کے لیے تیار ہوں۔" وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ فاتح کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔

"تو کیا کام ہو سکتا ہے صوفیہ رحمٰن کو تالیہ سے؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"آپ کو یہ ڈر ہے کہ وہ انہیں آپ کے خلاف استعمال کریں گی۔"

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تالیہ کبھی مجھے ڈس اون نہیں کرے گی۔ بہر حال یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے بے زاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔ "میں صوفیہ رحمٰن کو جانتا ہوں۔ وہ ایک شاطر اور طاقتور عورت ہے۔ وہ تالیہ سے کام کروا کے اس ڈیل سے مکر بھی جائے تو اسے کون پکڑ سکتا ہے؟"

"وہ ملک کی وزیر اعظم ہیں فاتح صاحب۔"

"وہ ایک جھوٹی اور چور عورت ہے احمد نظام۔"

"اس چور عورت نے اگر ایک دوسری چور عورت سے کام کروانا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ وہ کوئی غلط کام ہو۔ چوروں کے درمیان بھی ایک Honour ہوتا ہے۔"

فاتح کے ماتھے کے بل جو اس کی معذرت پہ غائب ہوئے تھے دوبارہ عود آئے۔ "تالیہ چور نہیں ہے۔"

"جی... اب نہیں ہے۔ مگر میری ان پہ ریسرچ یہ بتاتی ہے کہ پہلے وہ..."

"کہاں ہے یہ ریسرچ؟" اس نے اس کی بات کاٹی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں احمد نظام کے گھریلو آفس میں موجود تھے۔ فاتح پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا گردن اٹھائے اس دیوار کو دیکھ رہا تھا جو کاغذات سے ڈھکی ہوئی تھی۔ تالیہ کی تصاویر' بینک کے کاغذات' مختلف لوگوں کے نام۔ پوسٹ اٹ نوٹس۔ فاتح نے تعجب سے نظریں ان کی طرف موڑیں۔

"آپ تو تالیہ مراد سے Obsessed ہیں۔"

"میرا خیال تھا یہ کیس آف دی ائیر ہو گا مگر اب مجھے لگتا ہے کہ یہ کیس آف دی سنچری بن سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"میں آج سارا دن اسی بارے میں سوچتا رہا ہوں۔" وہ پر جوش سے ہو کے قریب آئے اور جلدی جلدی بتانے لگے۔ "کیا معلوم تالیہ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس نے ایڈم اور آپ کے ساتھ واقعی وقت میں سفر کیا ہو۔"

''واٹ؟'' وان فاتح نے دونوں ابرو اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''جی....اور اگر یہ درست ہے....اور وہ واقعی آپ کی بیوی ہے....جیسا کہ اس نے مجھے بتایا کہ آپ کی قدیم ملاکہ میں شادی ہوئی تھی....اور وہ انگوٹھی واقعی اسے سلطان مرسل نے دی تھی۔تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کے لئے وقت میں سفر کرنا ممکن ہے۔جانتے ہیں میں آج پمبورو کے بارے میں پڑھ رہا تھا....اور....''

''ایک منٹ....'' اس نے پرجوش سے احمد نظام کو ٹوکا۔''اس نے آپ سے کہا کہ وہ میری بیوی ہے؟'' اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"جی۔آپ اس کے ساتھ وقت میں پیچھے گئے تھے۔آپ ایک غلام تھے۔سن باؤ ڈانگ لی کے غلام۔اور وہ ملاکہ کی شہزادی تھی اور۔۔۔"وہ پرجوش سے بتا رہے تھے اور فاتح نے کراہ کے آنکھیں موندیں۔

وہ بی این کا صدر تھا اور وہ جس لڑکی کے لیے ایک پراسیکیوٹر کے گھر تک آ گیا تھا۔وہ اس کو یوں کہانیاں سنا کے شرمندہ کر سکتی ہے،وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"پہلے مجھے لگا وہ جھوٹ بول رہی ہیں مگر پمبورو کے بارے میں کہانیاں مشہور ہیں کہ کس طرح وہ وقت میں سفر۔۔۔"

"میں۔۔مجھے یاد آیا مجھے گھر پہنچنا تھا۔ایک ڈنر ہے گھر پہ۔"اس نے ماتھے کو چھو کے کہا۔اس کے اندر ایک دم تالیہ کے لیے غصے کا ابال اٹھا تھا۔اور شرمندگی اتنی تھی کہ حد نہیں۔

"اوہ۔لیکن اگر آپ اس کیس کو اٹھائیں تو ہم دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ انسان آج بھی وقت میں سفر کر سکتا ہے۔میں ہمیشہ سے کوانٹم فزکس پڑھنا چاہتا تھا مگر۔۔"

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔مجھے ابھی جانا ہے۔"وہ مزید یہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔تیزی سے پلٹا اور باہر نکل گیا۔

کار میں آ کے اس نے چند گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔شہزادی،غلام،وقت میں سفر۔واٹ دا ہیل۔اس نے انگوٹھے اور دو انگلیوں سے دکھتے سر کو دبایا۔تالیہ کس طرح کی کہانیاں سنا رہی تھی لوگوں کو،یہ کہانیاں اس کو بدنام کر سکتی تھیں۔اس کی معاشرے میں ایک ساکھ تھی،ایک مقام تھا۔یا اللہ۔اعتراف کی بے خوفی اپنی جگہ مگر یہ دونوں کا رشتہ؟ یہ تو جھوٹ تھا۔

فرنٹ سیٹ کے شیشے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکا۔پھر بٹن دبایا تو شیشہ نیچے گرنے لگا۔کھڑکی میں احمد نظام کھڑے تھے۔

"میں نے سارا ریسرچ ورک اس باکس میں ڈال دیا ہے۔یہ آپ لے جائیں۔اگر یہ کیس آف دی سنچری بھی ہے تو میں

سمجھ گیا ہوں کہ میں یا آپ اس کو نہیں اٹھا سکتے۔ ہو سکتا ہے یہ آپ کے کسی کام آئے۔"

اس نے چپ چاپ ان کو باکس پچھلی سیٹ پہ رکھنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی احمد نظام نے دروازہ بند کیا، وان فاتح نے کار آگے بھگا دی۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ آج کل وہ کچھ زیادہ ہی درد کرتا تھا۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائش گاہ کے اندر عشائیے کی گہما گہمی عروج پہ تھی۔ طویل ڈائننگ ٹیبل کے گرد تمام مہمان اپنی جگہوں پہ بیٹھے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایسے میں جامنی اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس مسکراتی ہوئی عصرہ کچن کے دروازے سے چلتی آرہی تھی جب اس نے فاتح کے باڈی مین کو فاصلے پہ متامل کھڑا پایا۔ مسکراتے ہوئے ابرو سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"میم۔ فاتح صاحب نے کار کی چابی لی۔۔۔ اور۔۔" بدقت اس نے نظریں جھکا کے بتایا۔ مگر پھر نگاہ اٹھائی تو عصرہ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ مجھے اندازہ تھا۔" اور آگے بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں صرف دو کرسیاں خالی تھیں۔ ایک سربراہی اور دوسری اس کے دائیں ہاتھ۔ عصرہ جامنی اسٹول سر پہ سلیقے سے جماتے ہوئے آگے آئی اور سربراہی کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ پھر نزاکت سے نیپکن اٹھا کے گود میں پھیلایا۔ سب رک کے اسے دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے اگر شوہر چلا جائے تو بیوی کو اس کی سربراہی کرسی لینے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔" مسکرا کے بولی تو سب ہنس دیے۔ جب سے فاتح بی این کا صدر بنا تھا، لوگ عصرہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہے تھے جیسا کسی فرسٹ لیڈی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تحائف، چاپلوسی، تعریفیں، اور دھیمے سے اپنا کام کہہ دینا۔ وہ سربلا کے سب کو سنتی تھی، کسی کو اشارہ دے دیتی، کسی کو صرف مسکراہٹ سے نوازتی، اور کسی کی بات ان سنی کر جاتی۔ طاقت آگ کی ایسی دیوی تھی جس کے گرد سب پتنگوں کی طرح چکر کاٹنے لگتے تھے۔ کچھ کو سونے کے پر عطا کر دیے جاتے۔ کچھ جل جل کے وہیں گرتے جاتے تھے۔ دیوی درمیان میں بے نیاز سی کھڑی رہتی۔

کھانے کے بعد ملازمہ ٹرے میں ایک چھوٹا چاکلیٹ کیک سجا کے لائی تو عصرہ کھنکھاری اور دانستہ آواز بلند کی۔ "ارے یہ نہیں۔ یہ تو ہم نہیں کھا سکتے۔"

مہمانوں نے گردنیں موڑ کے ملازمہ کو دیکھا جو کیک ڈش پکڑے گڑبڑا گئی تھی۔ (بیگم صاحبہ نے ابھی خود ہی تو کہا تھا

کہ......)

''اور وہ کیوں عصرہ؟'' ایک خاتون نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

عصرہ نے کہنیاں میز پہ رکھیں اور ہتھیلی پہ ٹھوڑی ٹکا کے دلچسپی سے اس کیک کو دیکھا۔

''بھئی یہ تالیہ نے بنایا ہے۔ تالیہ مراد نے۔ ہر روز بیک کر کے فاتح کے لئے بھیجتی ہے۔ اب وہ اتنے پیار سے بناتی ہے تو میں فاتح کے لئے چھوڑ دیتی ہوں۔'' ساتھ ہی مسکرا کے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا۔

''اچھا۔ تالیہ مراد۔''

''کہاں ہوتی ہے وہ آج کل۔''

''یہیں ہوتی ہے۔ آتی جاتی رہتی ہے۔'' عصرہ خوش دلی سے بتا رہی تھی۔ ''میں حیران ہوتی ہوں کہ کس طرح بے چاری روز کیک بیک کر لیتی ہے اور وہ بھی فاتح کے فیورٹ کیکس۔''

''ذائقہ ہے اس کے ہاتھ میں؟''

''ارے میں تو کھا نہیں سکتی نا۔ ان میں جو نٹس ہوتے ہیں ان سے مجھے الرجی ہے۔ کبھی گاجر کا کیک بھیجے تو میں کھا لیتی ہوں۔''

دو خواتین نے معنی خیز خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر وان فاتح کی بیوی کی جو معصومیت سے بتائے جا رہی تھی۔ پھر ان میں سے ایک بولی۔

''ہر روز کیک بنانے میں کسی عورت کی بہت محنت لگتی ہے معصرہ۔''

''اس کی تو محنت لگتی ہے مگر فاتح کو تو کیلوریز لگتی ہیں نا۔ میں اتنا کہتی ہوں' ہر روز نہ کھایا کرو' ویٹ گین کر لو گے مگر آپ کے چیئر مین صاحب سنتے ہی نہیں۔'' وہ گردن کے نیکلیس پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سادگی سے بتا رہی تھی۔

ڈائننگ ہال میں اس بات پہ ایک مصنوعی قہقہہ گونجا تھا۔

ملازم اب دو طرح کے سویٹس سرو کر رہے تھے اور اوپر لگے کانچ کے روشن فانوس خاموشی سے اس طویل میز پہ بیٹھے مہمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

دوسرا دن:۔

اس صبح وہ ناشتے کی ٹیبل پہ آیا تو اس کا موڈ آف لگتا تھا۔عصرہ دائیں ہاتھ کی کرسی پہ پہلے سے بیٹھی نظر آتی تھی۔اسے دیکھ کے مسکرائی۔وہ مسکرا بھی نہ سکا۔سوٹ' ٹائی اور کف لنکس پہنے' بال جیل سے دائیں جانب جمائے' وہ آفس کے لئے تیار لگنے کے ساتھ ساتھ بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔بس کرسی کھینچ کے بیٹھا اور اخبار چہرے کے سامنے کرلیا۔

''رات تم دیر سے گھر آئے۔''عصرہ ہلکی سی شال کندھوں پہ لپیٹے بیٹھی' مگ سے گھونٹ بھرتے اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے محض ہوں' کیا۔عصرہ نے اخبار کا کونا ذرا سا موڑ کے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

''تالیہ کا آج پھر کیک آیا ہے۔لے آؤں۔''

فاتح نے چونک کے چہرہ اٹھایا' پھر تعجب سے اسے دیکھا۔

''وہ ان کی تحویل میں ہے۔وہ کیک کیسے بھیج سکتی ہے؟''

''یہ کب کہا کہ اس نے آج بھیجا ہے؟میں نے کوریئر والے سے پوچھا تھا۔اس نے کہا کہ ایڈوانس بکنگ کروا رکھی ہے کسی بیکری سے۔ہر روز تمہاری پسند کے کیک آئیں گے۔شاید اسے لگتا ہے تمہیں ذیابیطس کی ضرورت ہے۔''اور مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''تم کھالینا۔''وہ بےزاری سے واپس اخبار پڑھنے لگا۔اسے ایک دفعہ پھر سے تالیہ پہ غصہ آنے لگا تھا۔

''میں کیسے کھاسکتی ہوں۔کون سا میرے لئے بھیجا ہے اس نے۔''

''عصرہ تم اس کو پسند کرتی ہو یا ناپسند۔تم ایک دفعہ اس بات کا فیصلہ کیوں نہیں کرلیتیں۔''

وہ جھنجھلا کے اخبار نیچے کر کے بولا تو عصرہ اسی طرح مسکرا دی۔

''تم اس کو پسند کرتے ہو یہی بہت ہے۔اور کیک میں نٹس ہیں۔میں نہیں کھا سکتی۔''

''میں اس کو پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ میری چیف آف اسٹاف ہے' میری کولیگ ہے۔''وہ ایک دم برہمی سے بولا تو عصرہ نے اسی سکون سے اسے دیکھا۔

''اس میں اتنا گلٹی ہونے والی کیا بات ہے۔''

''میں گلٹی نہیں ہوں' عصرہ۔''فاتح نے گہری سانس لی اور کندھے اچکائے تو عصرہ محمود کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

''کوئی اور عورت ہوتی تو شاید میں گلٹی ہوتا۔مگر تالیہ...تالیہ سے اپنا تعلق مجھے بہت عزیز ہے۔اس لئے اس کے بارے

میں طنز سے بات نہ کیا کرو۔" اس کا انداز حتمی تھا۔ پھر وہ اخبار رکھ کے اٹھ گیا۔

وہ اس پل گویا انگاروں پہ لوٹ گئی تھی۔ بے بسی سے اسے جاتے دیکھا تو پکار اٹھی۔

"ناشتہ نہیں کرو گے؟"

"وہ کیک کار میں بھجوا دینا۔ وہی کافی ہے میرے لئے۔" تلخی سے کہہ کے وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا آگے بڑھتا گیا۔ عصرہ کی آنکھیں شدتِ ضبط سے گلابی پڑنے لگیں مگر اس کو پلان کے مطابق چلنا تھا۔

فاتح کو یہ کیک ہر روز کھانے تھے۔ اس نے arsenic کو چنا ہی اس لئے تھا.... کیونکہ وہ ایک بہت اچھا سلو پوائزن تھا۔ اس کی چند ہلکی مقداریں بے ضرر تھیں لیکن اگر روز تھوڑا تھوڑا کھایا جائے.... تو چند ہفتوں میں وہ انسان کو آہستہ آہستہ گھول کے مار دیتا تھا۔

وہ ملازمہ کو آواز دینے لگی۔ فاتح کو یہ کیک ہر روز کھانے تھے۔ لازمی۔

☆☆==========☆☆

ایڈم اسٹوڈیو میں بیٹھا تھا جب اس کا فون زور زور سے بجنے لگا۔ اس نے موبائل نکال کے دیکھا تو کوئی انجانا نمبر تھا۔ جب سے وہ سلیبرٹی بنا تھا' یہ کالز اور پیغامات کا بندھا تانتا اسے بوکھلائے دیتا تھا۔ شروع میں وہ کوشش کرتا کہ ہر ایک کو اچھے سے جواب دے مگر فینز کی توقعات بڑھتی جاتی تھیں۔ وہ اب سرے سے جواب ہی نہیں دیتا تھا تاکہ کوئی ہرٹ نہ ہو۔ یہ نمبر بھی اس نے اسپام لسٹ میں ڈال دینا تھا اگر وہ اس پہ لگی واٹس ایپ کی ڈی پی نہ دیکھ لیتا۔

ڈی پی میں موجود شخص کو وہ پہچانتا تھا۔ فہمی بن سلام۔ وہ چونک گیا۔ پھر جلدی سے اطراف میں بیٹھے پروڈیوسر اور اینالسٹ سے معذرت کی اور اٹھ کے باہر آ گیا۔ کال تب تک کٹ چکی تھی۔

ایڈم نے سڑک پہ آتے ہی فوراً کال بیک کی۔

"کیا حال ہیں مسٹر سلیبریٹی؟ میری فائلز چوری کر کے تم ماشاءاللہ رائٹر بن چکے ہو۔" طنز یہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔

سڑک کنارے کھڑا ایڈم کھنکھارا۔ اسے احساس تھا کہ کالز ریکارڈ ہو سکتی تھیں۔ "وہ فائلز آپ نے خود دی تھیں۔ اور....."

"یہی بات میرے ماں باپ کے سامنے کہہ سکتے ہو؟"

ایڈم لمحے بھر کو سن رہ گیا۔ "جی؟"

"جانتے ہو میں نے ابھی تک پولیس میں تمہاری رپورٹ کیوں نہیں درج کروائی؟" وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ "کیونکہ جب ہانگ کانگ پیپرز منظر عام پہ آئے تو مجھے معلوم تھا ہماری لاء فرم بند ہو جائے گی۔ ہمارے قریباً تمام بڑے کلائنٹس ہمیں

چھوڑ گئے ہیں اور فرم دیوالیہ ہو چکی ہے۔ مجھے اب نئی نوکری ڈھونڈنی ہے۔ میرا اور میرے ماں باپ کا یہی جھگڑا تھا۔ کہ میں اس حرام کی نوکری کو چھوڑ دوں۔ کیا تم میرے ماں باپ کو یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارا وسل بلوور میں تھا؟ یوں میں ہیرو بن جاؤں گا اور وہ مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گا؟"

"کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس ہماری فرم کے تمام کلائنٹس کے نام نہیں ہیں۔ میرے پاس ہیں۔ تم نے اپنے انٹرویو میں بار بار اپنے وسل بلوور کے ناراض ماں باپ کا ذکر کر کے مجھے پیغام بھیجنے کی کوشش کی ہے، ایڈم۔ میں تمہارے اشارے سمجھتا ہوں۔"

ایڈم خاموش رہ گیا۔ وہ یہی چاہتا تھا مگر......

"میں تمہیں دوری نگارہ ملایو کا دوسرا پارٹ لکھنے کے لیے مواد اور ضروری کاغذات سب فراہم کر دوں گا۔ تم صرف میرے ماں باپ کو یہ یقین دلا دو کہ میں ہی اس کہانی کا Unsung ہیرو ہوں۔"

"اور اس کے بعد تم کیا کرو گے؟" وہ بات کرتے ہوئے سڑک کنارے واک کرنے لگا۔

"میں دوبارہ کسی ایسی ہی لاء فرم میں جاب کر لوں گا۔ کلائیڈ اینڈ لی بدنام تھی۔ نئی لاء فرم ملائیشیاء میں ڈھونڈ لوں گا جو بدنام نہ ہو۔ میرے ماں باپ کو علم نہیں ہو گا کہ میں اب بھی حرام کما رہا ہوں۔ یہ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میں اپنی روش پہ شرمندہ ہوں یا اسے بدل رہا ہوں۔ میں صرف اپنے ماں باپ کو منانا چاہتا ہوں۔ بولو منظور ہے؟"

اس کا انداز بڑا کیلکولیٹڈ سا تھا۔

"خیر... تم اپنی زندگی میں جو بھی کرو اس کا مجھ سے تعلق نہیں ہے۔ مجھے یہ ڈیل منظور ہے۔ امید ہے اپنے والد کے ساتھ رہ کے تم حلال اور حرام میں فرق کرنا سیکھ جاؤ گے۔ البتہ ایک بات میں پوچھنا چاہتا ہوں۔" وہ ٹھہر کے بولا۔ "تم نے کبھی میرے خلاف پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

"کیونکہ تم نے میرا جو فون چرایا تھا اس میں میرے بینک اکاؤنٹ کا لاگن ڈیٹا بھی تھا اور کریڈٹ کارڈ ڈیٹا بھی۔ تم تھوڑی سی محنت سے وہ حاصل کر سکتے تھے۔ مگر تم نے اس کو چھیڑا تک نہیں۔ میں ایماندار باپ کا بیٹا ہوں۔ کسی ایماندار شخص کو گرفتار نہیں کروانا چاہتا تھا۔ اب..... دیکھو میری انویسٹمنٹ کام کر گئی نا۔ پھر آ رہے ہو کل ملاکہ میرے گھر؟"

"دیکھو اگر تو تم نے مجھے وہاں بلا کے پٹوانا ہے تو میں بتا دوں میں پولیس اور اپنے وکلاء کو فاصلے پہ کھڑا رکھوں گا۔" وہ محتاط سا کہہ رہا تھا۔ یہ فہمی بن سلام انتہائی یونیک آدمی تھا۔

"دیکھو....میں حرام کمانے والا وکیل ضرور ہوں اور کورٹ میں بہت جھوٹ بولتا ہوں مگر میں تمہاری طرح ڈرامہ کوئین نہیں ہوں۔دیگر نام چاہیے ہیں تو آ جانا کل۔"

اور فون بند ہو گیا۔ایڈم نے گہری سانس لے کر موبائل کو دیکھا اور پھر گردن اٹھا کے ٹھنڈی سی چھایا لئے آسمان کو۔

کے ایل چھوڑ کے جانے کا مطلب تھا چے تالیہ کو نہ ڈھونڈنا۔مگر وہ تالیہ کو ڈھونڈ بھی کیسے سکتا تھا۔تالیہ کے لئے فاتح بہت تھا اور ایڈم کے لئے اس کی کتابیں۔کتابیں پڑھنا' کتابیں لکھنا ایک ٹائم لیس شوق تھا اور کسی ٹائم لیس چیز کی محبت' انسانوں سے محبت کرنے سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ ٹائم لیس شے دل کو یوں نہیں دکھاتی جیسے انسان دکھاتے ہیں۔

اسے ابھی اسی وقت ملاکہ کے لیے نکلنا تھا۔لازمی۔

☆☆==========☆☆

تیسری رات:۔

حالم کا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔آج کسی نے پورچ کی بتی بھی روشن نہیں کی تھی۔مالک نہ ہو تو گھر یونہی ویران ہو جاتا ہے۔وہ سارا دن تالیہ پہ غصہ رہا تھا اور رات کو ڈرائیور کو بھیج کے اس نے خود اسٹیئرنگ سنبھالا تو کار خود بخود انہی شناسا راستوں کی طرف مڑ گئی۔

فاتح نے ہاتھ سے چھوٹے گیٹ کا کڑا کھولا اور اندھیر پورچ میں قدم رکھا۔تالیہ کی کار وہیں کھڑی تھی اور اس پہ کور چڑھا تھا۔

"تالیہ واپس نہیں آئی۔"

آواز پہ وہ چونکا۔آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔اندھیر لان میں جھولے پہ داتن بیٹھی تھی۔

"میں اس کو ڈھونڈ لوں گا۔" وہ اسی مضبوطی سے کہتے ہوئے چھوٹے قدم اٹھاتا لان میں آ گیا۔داتن کے سامنے لان میں جگہ جگہ سنگی اسٹول رکھے تھے۔فاتح کرسی کے بجائے ایک اسٹول پہ بیٹھ گیا اور اندھیرے میں غور سے اسے دیکھا۔وہ اداس نظر آتی تھی۔

"آپ کتنے عرصے سے جانتی ہیں تالیہ کو؟"

"سات سال سے....." وہ دور اندھیرے میں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ کون ہو؟ من کیوں بنی؟" اس نے دھیرے سے اگلا سوال پوچھا۔

''کیونکہ اس کے ساتھ اس کے شوہر نے دھوکہ کیا تھا۔ بلکہ ہر ایک نے.....''

پھر وہ بولتی گئی۔ یتیم خانے سے شروع ہو کے اٹھائیس سالوں کی ساری کہانی چند منٹوں میں سناتی گئی۔ یہ کہانی پھر ایک فقرے پہ ختم ہوئی۔

''وہ اس زندگی کو چھوڑنا چاہتی تھی۔ ہر جرم کو بیلنڈ لاسٹ سمجھ کے کرتی تھی لیکن پھر اسے آپ ملے۔''

اور داتن نے نظروں کا رخ موڑ کے اندھیرے میں سنگی اسٹول پہ بیٹھے مرد کو دیکھا جو توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور پھر تالیہ کی زندگی میں ملاکہ کی وہ رات آئی جو آپ بھول چکے ہیں۔''

''اس رات کیا ہوا تھا؟'' وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''یہی سوال آپ نے حالم سے پوچھا تھا۔ آج مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ وان فاتح ہم لوگ کیوں آپ کے حصے کی جدوجہد کریں؟ اس کا جواب آپ کو خود ڈھونڈنا ہے۔''

یہ کہہ کے اس نے موبائل آن کیا تو اندھیرلان میں بیٹھی داتن کے چہرے پہ اسکرین کی نیلی روشنی پڑنے لگی۔

''اس رات آپ کی اسپورٹس واچ کا جی پی ایس ڈیٹا ہم نے ٹریک کیا تھا۔ آپ جہاں جہاں گئے تھے وہ سارا ڈیٹا میں آپ کو بھیج رہی ہوں۔'' فاتح کو جیب میں موجود موبائل کی تھرتھراہٹ محسوس ہوئی مگر وہ اسی طرح داتن کو آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھے گیا۔

''ایسا کیا ہے جو آپ کو معلوم ہے مگر مجھے نہیں۔''

''میں آپ کو جواب دے چکی ہوں۔'' فربہی عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھا۔ داتن نے چابیوں کا ایک گچھا اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ تالیہ کے گھر کی تمام چابیاں ہیں۔ میں جا رہی ہوں اور جانتی ہوں کہ آپ یہاں آتے رہیں گے۔''

''آپ اس کا انتظار نہیں کریں گی کیا؟''

''ایڈم آج ملاکہ چلا گیا ہے۔ میں اپنے بیٹوں کے پاس جا رہی ہوں۔ آپ کو بھی تالیہ کو تلاش نہیں کرنا چاہیے۔''

فاتح نے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے چابی لی۔ ''مگر کیوں؟ وہ ہماری دوست ہے اس کو تلاش کرنا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔''

داتن سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ ''اس سوال کا جواب میں آپ کو دے چکی ہوں۔ فاتح صاحب۔'' اور آگے بڑھ گئی۔ وہ چابی ہاتھ میں لئے اسے جاتے دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم پکارا۔

''تالیہ لوگوں سے میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کہہ رہی ہے؟اس نے پراسیکیوٹر سے کہا کہ وہ میری....'' وہ رک گیا۔خفگی سے زیادہ الجھن ہے۔داتن گیٹ کے قریب رکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔

''وہ سچ کہہ رہی ہے' وہی سچ جو اسے آپ نے بولنا سکھایا تھا۔'' اندھیر میں وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ چلی گئی تو وان فاتح اندر آ گیا۔کھڑکیوں کے پردے بند کیے اور کچن کی بتیاں جلا دیں۔کچھ دیر بعد وہ ایک گرم چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتا' کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔

سامنے نوٹ پیڈ رکھا تھا اور ہاتھ میں قلم تھا۔یہ تالیہ کے آرگنائزڈ کچن کی ٹوکری سے اس نے اٹھایا تھا جہاں ڈائریز' حساب کتاب کے کاغذ' خالی نوٹ پیڈ اور خط کے رنگ دار لفافے رکھے تھے جو تحفے میں پیسے دینے کے کام آتے تھے۔وہ کافی دیر بیٹھ کے سوچتا رہا اور پھر لکھنا شروع کیا۔

''ڈیئر تالیہ......

میں دو دن تمہارے لئے پریشان رہا۔آج میں تم پہ غصہ تھا۔کیونکہ تم نے پراسیکیوٹر کو میرے بارے میں ایسی باتیں کہی تھیں جو نا قابلِ برداشت تھیں۔میں نے سوچ لیا تھا کہ اب میں تمہاری فکر نہیں کروں گا۔مگر میں دوستوں پہ Give up کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔میں یہاں آیا تھا تاکہ تمہارے دوستوں کے ساتھ تمہیں تلاش کرنے کی اسٹریٹجی بناؤں مگر مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے دونوں دوست تمہیں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔وہ تمہیں نہیں ڈھونڈنا چاہتے۔مجھے پہلے یہ بات اچھی نہیں لگی مگر اب میں یہ سمجھ گیا ہوں کہ وہ تمہیں کیوں نہیں ڈھونڈنا چاہتے۔کیونکہ اکثر انسان یہی غلطی کرتے ہیں۔جب وہ اپنے کسی پیارے کو کھوتے ہیں تو اسکی تلاش میں نکل پڑتے ہیں' اس کو واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں' یا اس کی یاد میں سوگوار رہتے ہیں مگر تم نے اپنے دوستوں کو جو چیز سکھائی ہے' وہ وان فاتح کو بھی سیکھنی چاہیے۔جب ہم کسی اپنے کو کھوتے ہیں' تو تکلیف کے اس لمحے میں ہمیں صرف ایک شخص کو تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اپنے آپ کو۔

ایڈم ملاکہ چلا گیا ہے۔اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے اور شاید خود کو مضبوط بنانے۔

داتن اپنی فیملی کے پاس جا رہی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو ڈھونڈ سکے اور اپنے اندر سے اس مثبت انسان کو باہر نکال سکے جو اسے تالیہ نے بننا سکھایا تھا۔

اور رہا میں....تو مجھے بھی اب تالیہ کو نہیں ڈھونڈنا۔مجھے اپنے آپ کو اور اس کھوئی رات کو ڈھونڈنا ہے۔کیونکہ ہم تینوں

جب خود کو ڈھونڈ لیں گے تو ہم تالیہ کو بھی تلاش کرلیں گے۔

ہم سب کو اس وقت تالیہ کے بغیر اپنے اصل کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ شاید تم بھی یہی چاہتی تھیں۔ اسی لیے تم نے مجھے وہ مجسمہ توڑنے کے لیے کہا تھا۔ میں اپنے آئیڈیل کا مجسمہ توڑنے کے لیے تیار ہوں۔

وان فاتح۔''

چائے کا مگ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے بے پرواہی سے مگ وہیں دھرا اور وہ کاغذ تہہ کر کے ایک لفافے میں ڈالا۔ کبھی تو وہ واپس آئے گی اور اس کو پڑھے گی۔ ایک دم سے وہ بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

تیسرا دن:۔

اس صبح بی این کے دفتر کی لابی میں معمول کے مطابق کام جاری وساری تھے۔ یہ بالائی فلور تھا اور یہاں پاور آفسز تھے اور عام ورکرز کا داخلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے قیمتی فرنیچر سے آراستہ لابی اس وقت خاموش پڑی تھی جب ہشام جرجیس لفٹ سے نکلا تھا۔

اسے وان فاتح کے آفس میں آنے کا پیغام ملا تھا اور وہ ساری مصروفیات ترک کر کے سیدھا یہاں آ گیا تھا۔ وہ دراز اٹھی گردن اور اکھڑ انداز والا آدمی تھا جو لابی میں موجود ریسیپشنسٹ کے سلام کا جواب دینے کی بجائے' تنے ابرو کے ساتھ سیدھ میں آگے بڑھتا گیا۔ سہا کی ریاست میں اس کی امارت اور طاقت کے قصے زبانِ زدِعام تھے۔ لابی سے فاتح کے آفس تک راستے میں جس ورکر نے ڈیسک سے سر اٹھا کے اسے دیکھا' اس کی نظروں میں مرعوبیت اور ناپسندیدگی دونوں تھی۔

ہشام نے دستک دے کر چیئرمین کے آفس کا دروازہ کھولا اور کھنکھار کے اندر داخل ہوا۔

''السلا.....'' سلام لبوں میں رہ گیا۔ وہ ایک دم ٹھٹھک کے رکا۔ پھر اگلے ہی پل چہرے پہ خوشگوار تاثر سجا لئے۔

''مسز عصرہ.....آپ؟ میں سمجھا مجھے وان فاتح نے بلایا ہے۔''

چیئرمین کی سیٹ پہ عصرہ محمود براجمان تھی۔ سر پہ اسٹول لئے' کانوں میں دمکتے موتی پہنے' وہ بنی سنوری سی عورت مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''فاتح نے آج ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے۔ وہ ملاکہ چلا گیا ہے۔''

''اوہ.....خیریت؟'' ہشام نے تشویش سے کہتے ہوئے کرسی کھینچی۔ عصرہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

''وہ اتنے دنوں سے لگاتار کام کر رہا تھا۔ چھٹی اس کا حق ہے۔ ملاکہ میں اس کے باپ کا گھر ہے جہاں جا کے وہ بہتر محسوس کرتا ہے۔''

''اور انہوں نے اپنی غیر موجودگی میں آپ کو آفس کی ذمہ داری دے دی؟'' ہشام نے مسکرا کے غور سے اسے دیکھا۔

''ارے نہیں.... میں تو چند چیزیں لینے آئی تھی' پھر سوچا آپ سے ملاقات کرلوں کیونکہ....'' مٹھیاں باہم پھنسا کے آگے کو جھکی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''اس کی خالی کرسی دیکھ کے مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا ہے' ہشام۔''

''مثلاً کیا؟'' وہ پوری توجہ سے میز کے پار بیٹھی عورت کو دیکھ رہا تھا اور اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ہمیں پارٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''وان فاتح ہیں نا اس کام کے لئے۔'' اس نے احتیاط سے کہا۔

''اور اگر وان فاتح کی کرسی خالی ہو جائے تو؟ پھر پارٹی کا کیا ہوگا؟''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ہشام دھیرے سے آگے کو ہوا اور تشویش سے عصرہ کو دیکھا۔

''فاتح صاحب کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے نا؟ کوئی ہارٹ وغیرہ کا پرابلم تو نہیں ہے؟''

''پارٹی چیئرمین کو پرابلم نہ ہو تو بھی لوگ کروا سکتے ہیں پرابلم۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی فاتح کو اس کرسی سے ہٹانے کی کوشش نہ کرے۔''

''کیا ان کی جان کو خطرہ ہے؟''

''جب وہ بغیر سیکیورٹی ڈیٹیل لئے باہر نکل جایا کرے گا تو خطرہ نہیں ہوگا کیا؟'' وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ ہشام نے پہلو بدلا۔

''تو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''دیکھیں ہشام.... اگر کوئی قریبی شخص فاتح کو مارنے کی کوشش کرے گا تو صرف اس صورت میں کہ وہ اس کی جگہ لینا چاہتا ہوگا۔ اگر ہم اس امکان کو ہی ختم کر دیں تو کسی کو فاتح کو مار کے کچھ نہیں ملے گا۔''

''اگر خدانخواستہ دان فاتح کو کچھ ہوا بھی تو ان کی جگہ آنے والے نیا چیئرمین پارٹی الیکشن سے ہی منتخب ہوگا۔''

''آپ بھول رہے ہیں کہ فاتح نے نائب چیئرمین ابھی تک نامزد نہیں کیا۔''

''نائب چیئرمین کا رواج اب ہٹ گیا ہے مسز عصرہ۔''

''مگر یہ پارٹی کے قانون میں شامل ہے اور چیئرمین کے ایک دستخط سے نائب کا عہدہ پُر کیا جا سکتا ہے۔''

ہشام سوچ میں پڑ گیا۔ عصرہ کے غیر متوقع سوالات اس کو الجھا رہے تھے۔

''پارٹی میں بہت سے لوگ ہیں۔ اشعر..... نہیں اشعر نہیں' لوگ اس کو اتنا پسند نہیں کرتے۔ No Offence۔ مگر نائب چیئر مین صرف وہی شخص بن سکتا ہے جس پہ وان فاتح اعتماد کا اظہار کریں۔ گاڈ' مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم وان فاتح کی موت کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''اسی امکان کو ختم کرنے کے لئے ہمیں فاتح سے نائب کا عہدہ پُر کروانا ہوگا۔ ایسا شخص جو قابلِ اعتماد ہو اور کبھی فاتح کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ یوں وان فاتح اپنے قریبی دوستوں کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔''

''آپ کے خیال میں ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟''

عصرہ محمود مسکرائی اور محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نائب چیئر مین اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو چیئر مین کے آفس کی ایک کال پہ ساری مصروفیات چھوڑ کے بھاگا چلا آئے؟''

ہشام جبر جیس چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ وہ بس عصرہ کو دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن تیزی سے سارے حساب کتاب کرنے لگا تھا۔ اور پھر بالآخر وہ مسکرا دیا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا شہر اپنی تمام رعنائیوں' رونقوں اور خوشبوؤں کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسا وہ اسے چھوڑ کے گیا تھا۔ سن باؤ کے گھر کے سامنے بازار میں رونق لگی تھی۔ فاتح کو ہمیشہ یہاں آ کے اچھا محسوس ہوتا تھا۔ عام لوگوں کے درمیان......ان کی عام باتوں اور عام مسئلوں کو سننا.....کے ایل کی مصروفیات' پارلیمان کے ایوانوں اور بی این کے آفس کی سازشوں بھری زندگی سے دور یہ شہر قدیم زمانوں کا فسوں لئے ہوئے تھا۔

اس نے کار گلی میں روکی' اور باہر نکلا۔ جینز کے اوپر سفید ڈریس شرٹ پہنے وہ ایک لمبی چھٹی کے موڈ میں لگتا تھا۔ سرخ حویلی کا دروازہ کھولنے کے لئے چابی نکالی تو ٹھٹک گیا۔ دروازہ پہلے سے کھلا تھا۔

پہلا خیال اسے تالیہ کا آیا۔ صرف اس کے پاس چابی ہوتی تھی۔ کیونکہ یہ گھر اس نے کرائے پہ لے رکھا تھا۔

فاتح تیزی سے اندر آیا۔ راہداری سے گزر کے کمروں میں جھانکا' وہ برآمدے میں آیا تو قدم زنجیر ہوئے۔

سامنے میز کے ساتھ ایڈم کھڑا اپنا لیپ ٹاپ اور دوسری چیزیں ایک بیگ میں ڈال رہا تھا۔ آہٹ پہ وہ بھی پلٹا تو فاتح کو ادھر دیکھ کے ساکت رہ گیا۔

''آپ یہاں؟''

''یہ میرا گھر ہے'ایڈم۔تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے' البتہ ضبط سے بولا۔

''بے تالیہ نے مجھے اس کی چابی دے رکھی تھی۔''اس نے چابیوں کا گچھا سادگی سے میز پہ ڈال دیا۔''میں نے بنگارا ملایو اسی گھر میں لکھی تھی اور یہیں سے ان فائلز کا راز ڈھونڈا تھا اور.....''

''دوری نگارہ ملایو۔''اس نے تصحیح کی تو ایڈم ٹھٹکا۔پھر ماتھے کو چھوا۔

''جی وہی۔میرا مطلب تھا۔''گڑبڑا کے بولا۔''میں ابھی آیا تھا اپنا سامان اٹھانے جو آخری دفعہ ادھر رہ گیا تھا۔میں جا ہی رہا تھا۔''نظریں جھکا کے وہ جلدی جلدی اپنا سامان بیگ میں ڈالنے لگا۔

فاتح پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا اس نوجوان کو چند لمحے دیکھتا رہا۔برآمدے میں آتی دھوپ اس کے وجود کو منور کیے ہوئے تھی۔یہ لڑکا اس باڈی مین سے مختلف تھا جو اس کے پاس گیارہ دن کام کرنے کے لئے آیا تھا۔

ایڈم نے بیگ کی زپ بند کی اور چہرہ اٹھایا تو فاتح اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تالیہ کا کچھ پتہ چلا سر؟''

''وہ آ جائے گی۔''اس نے مختصراً کہا اور پھر صحن کی طرف آ گیا۔صحن کے وسط میں کھڑے وہ گردن اٹھا کے وانگ لی کے اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔

''جب تالیہ یہاں آتی تھی تو کیا اس نے کبھی اس مجسمے کے بارے میں کچھ کہا تھا؟''

ایڈم نے چونک کے فاتح کو دیکھا جو اس کی طرف پشت کیے کھڑا مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔جدید ملاکہ میں دوتوں کی بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔''

فاتح ایڑیوں پہ گھوما اور غور سے اسے دیکھا۔''کیا تالیہ نے کبھی کوئی مجسمہ بنایا تھا؟اس سے ملتا جلتا؟''اس کے دل میں تالیہ مراد کے کہے آخری الفاظ کسی پھانس کی طرح چبھے تھے۔

ایڈم نے نظریں اٹھا کے پہلے مجسمے کو دیکھا پھر فاتح کو۔پھر جب بولا تو لہجہ محتاط تھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''ہو سکتا ہے اس نے وانگ لی کا کوئی اور مجسمہ بنایا ہو جو یہیں کہیں ہو۔''پھر دیکھا کہ ایڈم بس اسے دیکھے جا رہا ہے تو ہاتھ سے مجسمے کی طرف اشارہ کیا۔''یعنی...یہ آدمی وانگ لی تھا۔اپنے وقت کا ایک عظیم چینی سفیر۔غلام ہونے کے باوجود اس نے

ملاکہ کے لوگوں کے لئے آواز اٹھائی تھی اور شہزادی تاشہ نے.....''

ایڈم بن محمد کے لئے مزید اداکاری کرنا ممکن نہ تھا۔اس کے اندر غصے کا ایک ابال اٹھا تھا۔

''وانگ لی کوئی ہیرو نہیں تھا سر۔وانگ لی شاہ چین کا وفادار تھا اور اس نے ملاکہ کو قرضوں کی بیڑیوں میں جکڑ دیا تھا۔اس نے ملاکہ کے غلاموں کو آزاد کروایا تھا' نہ اس نے وہ جرائت مندانہ باتیں کہی تھیں جو بنگار ایا ملایو میں اس کے نام سے منسوب ہیں۔تاریخ کی کتابیں سچ نہیں کہتیں۔'' وہ تلخی سے بولتا گیا اور پھر ایک دم چپ ہوا۔فاتح ابرو بھینچ کے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور سن باؤ کے بارے میں کس مورخ نے یہ سب لکھا ہے جو تم کہہ رہے ہو؟''

ایڈم نے لب بھینچ لئے۔وہ وانگ لی کے ایک 'فین' سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔

''سوری سر۔مجھے نہیں معلوم چے تالیہ نے کون سا مجسمہ بنایا ہے اور کیوں بنایا ہے۔'' اور مڑ کے اپنا بیگ اٹھانے لگا۔اتنی مشکل سے وہ 'کام' پہ توجہ مرکوز کر کے تالیہ اور فاتح کی کہانی سے نکل کے ملاکہ آیا تھا اور..... یہاں پھر وہی سب اس کا منتظر تھا۔

''اس نے کہا کہ اس نے یہ مجسمہ توڑنے کے لئے بنایا ہے۔وہ کیوں چاہتی ہے کہ میں اس مجسمے کو توڑوں؟'' وہ الجھن بھری خفگی سے اونچا بڑبڑایا۔''یہ مجسمہ میری پیدائش سے پہلے سے یہاں موجود ہے۔یہ تاریخی ورثہ ہے۔''

ایڈم بن محمد کرنٹ کھا کے مڑا اور صحن میں کھڑے آدمی کو بے یقینی سے دیکھا۔

''یہ مجسمہ چے تالیہ نے توڑنے کے لئے بنایا تھا؟''

وہ بالکل ساکت کھڑا تھا۔

ذہن میں قدیم ملاکہ کی داستان ایک فلم کی طرح چلنے لگی۔

شہزادی تاشہ کو وانگ لی سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔پھر بھی اس نے مجسمہ بنایا۔وانگ لی کی دوستی کی خاطر نہیں جیسا کہ اس نے ایڈم سے بنگار ایا ملایو میں لکھوایا تھا۔

مگر لوگ کہتے تھے کہ وہ وہاں کسی سے ملنے آتی تھی۔..... اتنے ماہ بعد ایڈم نے سوچا تو ذہن کے جالے صاف ہونے لگے .....وہ اور تالیہ ادھر تب آتے تھے جب فاتح وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔وہ اس مجسمے کے بہانے کسی سے ملنے نہیں آتی تھی۔

وہ اب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ اس نے یہ مجسمہ اس لئے بنایا تھا تا کہ نیچے جو خزانہ وہ چھپائیں اس کے اوپر ایک نشانی ہو۔

مگر تالیہ کے پلان.....تالیہ کی مرضی.....اس نے مجسمہ کسی اور شے کے لیے بنایا تھا۔

''آپ اس کو توڑ دیں۔'' وہ کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا۔''یہ مجسمہ چے تالیہ سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔''

فاتح چند لمحے کھڑا خفگی سے اس مجسمے کو دیکھتا رہا' پھر نفی میں سر ہلایا۔

''مگر اس میں ایسا کیا ہو سکتا ہے جو اتنا اہم ہو؟''

جواب نہیں آیا تو اس نے گردن موڑی۔ برآمدہ خالی پڑا تھا۔ ایڈم بن محمد جا چکا تھا۔

اپنی تلاش کے سفر پہ۔

تالیہ کے بغیر رہنا سیکھنے کے لئے۔

اب وہ سن باؤ کے قدیم صحن میں تنہا کھڑا تھا۔

کنواں' کونے کا درخت اور وہ مجسمہ خود اس سے سوال کر رہا تھا کہ کیا وہ مٹی اور گارے کا بت تالیہ سے زیادہ قیمتی تھا؟

کیا کوئی شے وان فاتح کے لئے تالیہ مراد سے زیادہ قیمتی ہو سکتی تھی؟

چوتھی رات:۔

مغرب ڈھل چکی تھی۔ سن باؤ کے صحن میں تیز روشنیاں جلی تھیں اور چند یونیفارم میں ملبوس ورکرز مجسمے کے ملبے پہ کھڑے تھے۔

مجسمہ زمین بوس ہوا پڑا تھا اور ورکرز پیشہ وارانہ مہارت سے اس کے پتھروں کو الگ الگ کر کے توڑے جا رہے تھے۔

وان فاتح برآمدے کی آرام کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھا' خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگ کافی دیر سے لگے تھے مگر ابھی تک ان کو مجسمے سے کوئی شے نہیں ملی تھی۔ ایک ورکر نے اسے بتایا تھا کہ صحن کا ایک بڑا حصہ یوں لگتا تھا تازہ تعمیر کیا گیا تھا۔

وہ سن کے خاموش ہو گیا۔ نہ جانے تالیہ اس کے گھر کے ساتھ کون سے تجربات کرتی رہی تھی۔

البتہ اسے تالیہ پہ غصہ نہیں آیا تھا۔ اسے تالیہ کے چھوڑے سوالوں کے جوابات تلاش کرنے تھے۔

صحن سے مسلسل کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ فاتح بیٹھا بیٹھا تھک چکا تھا مگر اس گھر میں نہ کوئی اس کے لئے چائے بنانے والا تھا نہ یہاں چائے کے وہ خاص پتے موجود تھے جو تالیہ کے کچن میں ہوتے تھے۔ بالآخر وہ ریستوران سے کچھ آرڈر کرنے اٹھا تو ایک ورکر کی آواز آئی۔

''سر..... یہ دیکھیں۔''

وان فاتح کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ تیزی سے صحن کی طرف لپکا۔

فلیش لائٹس اور پولز کی روشنی میں صحن کے وسط میں چکنا چور مجسمہ بکھرا نظر آ رہا تھا۔ تمام ورکرز ایک ٹکڑے کے اوپر اکٹھے

ہو چکے تھے۔ ایک آدمی زمین پہ بیٹھا مجسمے کے سینے کے حصے کے ٹکڑوں سے کچھ نکال رہا تھا۔ فاتح ہجوم کو ہٹاتا آگے آیا تو انہوں نے اس کو راستہ دے دیا۔

سینے کے حصے کو توڑنے پہ اندر سے ایک چھوٹا سا لوہے کا صندوق نکلا تھا جس کو جگہ جگہ سے زنگ لگا تھا۔ اس کو ایک تالے سے مقفل کیا گیا تھا۔ ورکرنے اسے زمین پہ رکھا تو فاتح نے بنا انتظار کیے ایک کلہاڑا اٹھایا اور زور سے تالے پہ ضرب لگائی۔ تالہ گل سڑ چکا تھا۔ ایک ہی وار میں ٹوٹ گیا۔

وہ چھوٹے صندوق کو اٹھا کے برآمدے تک لے آیا۔ روشنی میں اس لوہے کے اوپر بنے نقش و نگار واضح دکھائی دیتے تھے جن میں زنگ لگا تھا۔ فاتح کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ جوش سے زیادہ پریشانی تھی۔

اس نے صندوق میز پہ رکھا، اور کنڈا کھول کے ڈھکن اٹھایا۔ ورکرز اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے۔ اندر ایک چھوٹا سا بلاک رکھا تھا۔ زرد بھورا سا بلاک۔ اس نے وہ بلاک نکال کے اوپر اٹھا کے غور سے دیکھا۔ وہ بھاری تھا اور..... فاتح کے ابرو تعجب میں اٹھے.... اور وہ غالباً سونے کا بنا تھا۔

وقت نے سونے کی چمک دمک ماند کر دی تھی۔ اس بلاک کی دیواریں سادہ تھیں۔ ان پہ کچھ لکھا ہوا نہ تھا۔ اس نے اسے ہلکا ہلایا تو محسوس ہوا کہ بلاک کے اندر کچھ کھڑکا تھا۔ وہ بلاک اتنا بڑا تھا کہ فاتح اس کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا سکتا تھا۔ کچھ ہلکا پھلکا اندر کھڑکتا تھا۔ جیسے کچھ ڈالنے کے بعد سونے کو پگھلا کے 'بند' کر دیا گیا ہو۔ سونا وہ دھات تھی جو آسانی سے تباہ نہیں ہوتی تھی۔ اس صندوق اور سونے کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ عرصے سے اس مجسمے میں بند تھا۔

فاتح نے گردن موڑ کے اپنے صحن میں بکھرے ملبے کو دیکھا۔ تالیہ کو کیسے معلوم تھا کہ اس مجسمے میں کچھ تھا؟ یہ سوال اس ایک بھولی ہوئی رات سے بڑا معمہ بن چکا تھا۔

رات کو جب سب وہاں سے چلے گئے، اور صحن صاف ہو گیا تو وہ برآمدے کی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا تھا اور کہنیاں میز پہ رکھے اس نوٹ پیڈ پہ لکھے جا رہا تھا۔

''ڈیئر تالیہ.....

میں نے تمہاری تلاش کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ میں اپنے تلاش کے سفر پہ نکل کھڑا ہوں۔ تمہاری دوست نے مجھے کہا کہ سچ بولنا میں نے تمہیں سکھایا ہے۔ ایڈم نے بھی بہت سی باتوں کو مجھ سے منسوب کیا ہے مگر سارا مسئلہ یہ ہے کہ میرے جیسے لوگ جو دوسروں کو درس دیتے ہیں، اکثر ان اسباق کو خود بھول جاتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے بی این کا صدر بننے کے بعد میں اس فاتح رامزل کے ہالے سے دور نکل گیا ہوں جس کو تم جانتی تھیں۔ ملاکہ آنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ سیاست، جھوٹ اور مصلحتی

فیصلوں کی دنیا عجیب سی لگنے لگی ہے۔ میں ملاکہ کے بازاروں میں عام لوگوں کے درمیان چلتا ہوں تو وہ مجھے دیکھ کے سیلفی کے لئے دوڑے آتے ہیں ہاتھ ملاتے ہیں' مگر میں آگے بڑھتا ہوں تو وہ سرگوشیوں میں کہتے ہیں کہ وان فاتح نے ہشام جر جیس جیسے لوگوں سے ہاتھ ملا کے وہی کیا جو پہلے والے کرتے آئے ہیں۔

مجھے لگتا تھا میرے اور پہلے والوں میں فرق ہے۔ اب بھی یہی لگتا ہے۔ مگر وہ فرق کیسے نظر آئے گا؟ مجھے اپنی تلاش کے اس سفر میں اسی فرق کو ڈھونڈنا ہے۔ آج اپنے جوابات کی تلاش میں میں نے اپنے آئیڈیل وانگ لی کا مجسمہ توڑ دیا ہے۔ وہ تاریخ میں اچھے الفاظ سے یاد کیے جانے والا انسان تھا۔ ملاکہ آنے کے بعد اور یہاں بکھری تاریخ دیکھنے کے بعد میں یہی سوچنے لگا ہوں کہ مجھے تاریخ کیسے یاد رکھے گی؟

تم ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی تھیں۔ میری خواہش تھی کہ آج بھی تم میرے ساتھ ہوتیں۔

وان فاتح۔"

☆☆==========☆☆

چوتھا دن:۔

سن ہاؤس کے برآمدے میں آج ماحول مختلف لگ رہا تھا۔ بڑی میز وسط میں کھینچ رکھی تھی اور وہاں طرح طرح کے اوزار اور آلات پڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک آدمی دستانے پہنے' آنکھوں پہ حفاظتی چشمہ چڑھائے' ایک مشین کے نوکیلے حصے سے اس طلائی بلاک کو کاٹ رہا تھا۔ مشین کی آواز کانوں کو سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

فاتح بہت صبر سے اس آدمی کے عقب میں سینے پہ بازو لپیٹے منتظر کھڑا تھا۔

بالآخر اس نے مشین بند کی اور چشمہ اتارا۔ پھر احتیاط سے بلاک کے اوپر والا ٹکڑا اٹھایا۔ فاتح تیزی سے آگے آیا۔

ڈبے کے اندر رکھی چیز واضح دکھائی دے رہی تھی۔

سنہری کتاب۔

اس آدمی نے وہ کتاب نکالی اور اسے احتیاط سے میز پہ رکھا۔ چند منٹ تک وہ اس کا جائزہ لیتا اور اسے صاف کرتا رہا۔

"اس کو مختلف preservatives کی مدد سے محفوظ کیا گیا ہے تاکہ یہ صدیوں بعد بھی درست حالت میں رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ ڈرائی بون سینڈ ہوگی جس کے ساتھ قدیم مصر میں لاشوں کو حنوط کیا جاتا تھا۔"

اس نے اپنا دستانے والا ہاتھ کتاب کے سرورق پہ پھیرا تو سونے کا ورق مدھم سا دمکنے لگا۔ اس پہ جلی حروف میں لکھا تھا۔

''بنگارایا ملایو۔نسخہ اول۔از آدم بن محمد۔''

''واؤ۔کیا یہ بنگارایا ملایو کا پہلا قدیم نسخہ ہو سکتا ہے،فاتح صاحب؟''اس نے پرجوش انداز میں چہرہ اٹھایا تو فاتح کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کے فوراً سر جھکا دیا۔''مگر آپ بےفکر رہیں۔اس کتاب کی دریافت کی خبر کسی کو نہیں ہوگی۔''

فاتح نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ہٹنے کو کہا اور خود آگے آیا۔پھر اس کتاب کا پہلا صفحہ کھولا۔

وہ کتاب جتنی قدیم تھی اتنی ہی خوبصورت بھی تھی۔اس کے صفحات کاغذیا کپڑے کے نہیں بلکہ طلائی تھے۔سونے کے پتلے پتلے ورق جن پہ الفاظ نقش کر کے لکھے گئے تھے۔وہ ایک کے بعد ایک صفحہ پلٹتا گیا اور کتاب کھلتی چلی گئی۔

وہ ابواب کے نام پڑھ رہا تھا۔یہ بنگارایا ملایو ہی تھی۔اتنی دفعہ اسے پڑھ چکا تھا کہ ساری داستان اسے ازبر تھی۔اس میں البتہ آخری چند ابواب نہیں تھے۔

تالیہ اسے ایک پڑھی ہوئی کتاب کو دوبارہ کیوں پڑھوانا چاہتی تھی؟اور اسے کیسے معلوم تھا کہ اس مجسمے کے اندر بنگارایا ملایو کا پہلا نسخہ دفن تھا؟کیا اس نسخے میں کچھ ایسا تھا جو بعد میں لکھی اور چھپی جانے والی بنگارایا ملایو میں موجود نہیں تھا؟

وان فاتح تعجب سے ان صفحات کو پلٹتا جا رہا تھا۔

وہ اس بات سے واقف نہیں تھا کہ یہ بنگارایا ملایو کا وہ نسخہ تھا جو ایڈم بن محمد نے لکھا تھا۔شہزادی تاشہ کی تبدیلیوں کے بغیر۔

یہ بنگارایا ملایو کا اصل نسخہ تھا اور اس میں قدیم ملاکہ کے غلاموں کا ہیرو وانگ لی نہیں تھا۔

یہ تاشہ اور فاتح کی سچی داستان تھی۔

☆☆=========☆☆

اشعر محمود کے قلعے کے سبزہ زار میں اس وقت ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی۔قلعہ اس پھوار میں بھیگتا دکھائی دے رہا تھا اور لان میں ہرن خوشی سے قلانچیں بھرتے پھر رہے تھے۔لان کے وسط میں لکڑی کے زینوں کے اوپر ایک کینوپی بنی تھی جس کی مخروطی چھت کے کناروں سے پانی ٹپک رہا تھا۔اس میں لکڑی کے بنچ بنے تھے اور وہ دونوں بہن بھائی آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''کاکا....تم پریشان لگ رہی ہو؟''اشعر نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھا۔اشعر آفس کے لیے تیار لگتا تھا۔سوٹ ٹائی سے لے کر بوٹس تک ہر شے مکمل تھی۔البتہ اس کے برعکس عصرہ سادہ کرتے پاجامے میں ملبوس،کندھوں کے گرد شال لپیٹے اداسی سے دور بھاگتے ہرنوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میں فاتح کے لیے پریشان ہوں۔''

''وہ تو چھٹی پہ ملا کہ گئے ہوئے تھے۔ اکیلے ہی گئے ہیں نا؟'' اشعر کا ماتھا ٹھنکا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' عصرہ نے نظریں موڑ کے فکر مندی سے اسے دیکھا۔ ''مجھے اس کی صحت کی طرف سے پریشانی ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ وہ کمزور ہوتا جا رہا ہے؟''

اشعر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ''نہیں تو۔ شاید ڈائٹ وغیرہ پہ ہوں۔''

''مجھے لگتا ہے کوئی اس کو بیمار کر رہا ہے۔ سلو پوائزن شاید۔ مجھے نہیں معلوم مگر مجھے یہی خوف کھائے جا رہا ہے۔''

''واٹ؟'' اشعر بھونچکا رہ گیا۔ مگ میز پہ رکھا اور آگے کو ہو کے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ ''کا کا... ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟''

''مجھے عجیب عجیب سے وہم آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کوئی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ بارش میں ایک دم تیزی آگئی تو کھیلتے کودتے ہرن چونک کے اپنی جگہ پہ رک گئے۔

''وہ بی این کے صدر ہیں۔ ظاہر ہے ان کو بہت سے لوگ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں ان کی سیکیورٹی بہتر کرنی چاہیے۔ صوفیہ رحمٰن کے لوگ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔''

بجلی چمکی تو ہرنوں نے گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا اور یکا یک وہ چاروں طرف پناہ کے لیے بھاگے۔

''فاتح کو باہر والوں سے نہیں اپنوں سے خطرہ ہے اشعر۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''اس کو مار کے کسی کو کیا ملے گا؟ سوچو۔ دولت جائیداد تو اس کے پاس ہے نہیں۔''

''بی این کی صدارت کی کرسی۔'' اشعر نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''تمہارے خیال میں ان کو مار کے کوئی ان کی جگہ لینے کی کوشش کر سکتا ہے؟''

''مجھے ایک ہی شخص پہ شک ہے جو اس وقت پارٹی میں سب سے زیادہ طاقتور ہو چکا ہے۔'' وہ تشویش سے کہہ رہی تھی۔ ''اور وہ ہے ہشام جبر جبیں۔ پتہ ہے کل میری سر راہ اس سے ملاقات ہوئی تو وہ جس طرح آئندہ الیکشنز اور نائب چیئر مین کے خالی عہدے کی بات کر رہا تھا مجھے لگا اس کی کسی پلاننگ میں فاتح شامل نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں فاتح سے اس کی سفارش کروں اور اس کو نائب بنا دیا جائے۔'' وہ پریشان لگ رہی تھی۔

''نائب چیئر مین؟ وہ نائب بن کے پارٹی پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے؟'' اشعر بالکل سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔ ''وہ ایسا ہی آدمی ہے۔ وہ واقعی یہ کر سکتا ہے۔ مجھے کیوں اس بات کا خیال نہیں آیا۔''

''اب آگیا ہے تو اس کا سدِ باب کرو۔ میرے نزدیک اس کا ایک حل ہے۔'' وہ سمجھانے والے سادہ انداز میں کہہ رہی

تھی۔"ہشام کا راستہ روکنے کے لیے ہمیں کسی اور کو نائب چیئر مین بنانا ہو گا۔"

اشعر نے ٹھٹک کے اسے دیکھا۔"آہنگ یہ عہدہ بھرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟"

"وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔تم بتاؤ تم تیار ہو؟ تم سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا اہل نہیں ہے کہ فاتح اس کو اپنا نائب کہے۔"

اشعر کے تاثرات بدلے۔وہ اس پیشکش پہ ایک دم ششدر رہ گیا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر کیا.....آہنگ مجھے....؟؟"

"وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔تم لابنگ شروع کرو۔اپنی تیاری پوری رکھو۔"

"لوگ باتیں کریں گے۔میں ان کا رشتے دار ہوں نا۔میڈیا سر کھا لے گا۔یہ غیر جمہوری ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔بہت سے جمہوری ممالک میں یہ ہوتا ہے۔اور فاتح کی جان کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں یہ کرنا پڑے گا' ایش۔"وہ تشویش سے کہہ رہی تھی۔اور اشعر سر ہلا رہا تھا۔

لان میں اب بارش تیزی سے برس رہی تھی۔ایک ہرن درخت تلے کھڑا تھا جبکہ باقی کہیں کونوں کھدروں میں جا چھپے تھے۔

☆☆==========☆☆

پانچویں رات:۔

ملاکہ کے بازار میں اس رات ریستورانوں اور دوکانوں پہ معمول کی خرید و فروخت جاری تھی۔لوگ سڑک سے گزرتے اشیاء خریدتے' کھاتے پیتے' خوش گپیاں کرتے جا رہے تھے۔بازار کی روشنیاں اندھیرے میں بھی دن کا سماں کیے ہوئے تھیں۔ایسے میں ایک قہوہ خانے کے اندر شیشے کی دیوار کے ساتھ فاتح بیٹھا تھا۔

ہلکی بڑھی شیو اور ماتھے پہ بکھرے بال لیے' وہ جھک کے نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھتا جا رہا تھا۔دائیں ہاتھ چائے کا آدھا خالی مگ رکھا تھا۔دوسری جانب سنہری اوراق والی قدیم کتاب رکھی تھی۔جس کے اندر رکھا بک مارک یہ بتا رہا تھا کہ اس کے قاری نے پہلے چند ابواب پڑھ لیے تھے۔

اس کے آس پاس لوگ میزوں پہ بیٹھے کھا پی رہے تھے۔قہقہے لگا رہے تھے۔کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔بڑھی شیو اور رخ موڑے رکھنے کے باعث کوئی اس کو پہچان نہیں سکا تھا۔

فاتح کے کندھے کے اوپر سے جھانکو تو نوٹ پیڈ پہ لکھا خط واضح دکھائی دیتا تھا۔

''ڈیئر تالیہ.....

میں نے آج پھر دولت کو فون کیا تھا۔ ہر روز کی طرح اس نے آج بھی یقین دہانی کروائی کہ تم ٹھیک ہو۔ اور جلد گھر واپس آجاؤ گی۔ تمہاری نیک نامی برقرار ہے اس لیے ہم میں سے کوئی اس مسئلے کو کسی سطح پہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں پہلی دفعہ صوفیہ رحمٰن پہ تمہاری خاطر یقین کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنا قول نبھائے گی اور تمہیں محفوظ راستہ فراہم کردے گی۔

میں تمہارے دوسرے دوستوں کے متعلق تو نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں مگر میں اپنی تلاش کے سفر پہ نکل چکا ہوں۔ مجھے ملاکہ کے ایک چائے خانے میں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔ پچھلے دو ماہ سے چیئرمین کی کرسی سنبھالنے کے بعد میں عوام کے درمیان جا کے نہیں بیٹھا تھا۔ میں دن رات اگلے الیکشن کی جوڑ توڑ میں لگا تھا۔ مجھے ہشام جیسے لوگوں کو بھی ساتھ ملانا پڑا کیونکہ مجھے لگا تھا انہوں نے مجھے جتوانا ہے۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ووٹ اس عوام نے دینا ہے۔ مجھے ان کا دل جیتنا چاہیے تھا۔ اور یہ لوگ مجھ سے امید ہار رہے ہیں۔ میں جتنا ان کے اردگرد بیٹھے خاموشی سے ان کی باتیں سنتا ہوں اتنا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ اسی فاتح کے بارے میں بات کر رہے ہیں جس کو وہ اتنے سال سر آنکھوں پہ بٹھاتے آئے ہیں؟ یہ مجھ سے اتنے مایوس کیوں ہیں؟ کیا میں نے مصلحت پسندی کے ہاتھوں خود کو اپنے مقصد سے دور کر دیا ہے۔ میں یہ سب انہی لوگوں کے لیے ہی تو کر رہا تھا تالیہ۔ مگر یہ لوگ مجھے اور صوفیہ رحمٰن کو ایک ہی کیٹگری میں شمار کرنے لگے ہیں۔

میں نے آج بنگارایا ملایو کا قدیم نسخہ پڑھنا شروع کیا ہے۔ میں نہیں جانتا تم اس کی موجودگی سے کیسے واقف تھیں مگر اب میں نے تمہاری باتوں پہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ اس نسخے اور جدید نسخے میں مجھے ایک واضح فرق نظر آیا ہے۔ اس میں شہزادی تاشہ کی تعریفیں اتنی نہیں ہیں جتنی عام نسخے میں ملتی ہیں۔

اگر یہ بنگارایا ملایو کا اصل نسخہ ہے تو شاید شہزادی تاشہ بھی کاملیت کی وہ دیوی نہیں تھی جیسا اس کے پرستار اس کو سمجھتے تھے۔ وہ انسان تھی۔ کوئی بھی کامل نہیں ہوتا یہاں۔ شاید دان فاتح کے پرستاروں کو بھی اب یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔

میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ ہوتیں اور ہم اس کتاب کو ایک ساتھ پڑھ سکتے۔

فاتح۔''

☆☆=========☆☆

پانچواں دن:۔

ایڈم بن محمد کے گھر کا چھوٹا باغیچہ رات بھر ہونے والی بارش کے بعد ابھی تک پانی سے بوجھل کھڑا تھا۔ دھوپ بالکل نہیں نکلی تھی آج اور مرغی گھاس سے کیڑے چگتی اداس دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چوزے اب بڑے ہو چکے تھے اور ان کی گنجی گردنیں اونچی نکلنے لگی تھیں۔ جسم بھی آدھی مرغی کے برابر ہو چکے تھے۔ وہ گھاس پہ لاپرواہی سے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ مستقبل سے بے نیاز۔ ہر شے سے بے خبر۔

ایڈم کے کمرے میں کاغذات ہر طرف بکھرے تھے۔ وہ خود ٹراؤزر شرٹ میں کرسی پہ بیٹھا مسلسل کمپیوٹر اسکرین پہ لگا تھا۔ بار بار کاغذات پرنٹ کر کے مختلف اطراف میں رکھتا، کبھی پین سے کچھ لکھتا گویا وہ پوری طرح سے منہمک تھا۔

پرنٹر نے زوں زوں کی آواز سے مزید کاغذ نکالے تو ایڈم نے ان کو اٹھایا اور صفحات پلٹ کے دیکھنے لگا۔ وہ تھکا ہوا مگر پرجوش لگتا تھا۔ اس نے کاغذات کا پلندہ کی بورڈ کے اوپر ہی رکھ دیا اور ہائی لائیٹر سے ہر صفحے پہ چند الفاظ کو نمایاں کرنے لگا۔

نام۔ یہ نام..... یہ اتنے سارے نام اسے اس کو وسل بلور نے بہت آسانی سے دے دیے تھے۔ نہ صرف نام بلکہ اوریجنل فائلز، سرٹیفیکیٹس، وکالت نامے، کانٹریکٹس کی کاپیز اور ایس ای میلز جن کے ہیڈرز بھی موجود تھے۔

وہ اتنا خوش تھا کہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔

چوتھا صفحہ اس نے پلٹا اور پانچویں صفحے پہ آ گیا۔ اوپر سے نیچے نگاہ دوڑائی۔

اور پھر اس لمحے..... ایڈم بن محمد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

اس کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی اتری..... اس نے بار بار اس صفحے کو پڑھا..... پھر اسکرین کو دیکھا اور جلدی سے وہی فائلز باری باری کھولیں۔ کوئی غلطی نہیں تھی۔ کوئی شک نہیں تھا۔ جو وہ پڑھ رہا تھا وہی لکھا تھا وہاں۔

کھلا ہوا ہائی لائیٹر اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ ایڈم کو نہیں یاد کہ کبھی شاک کی کسی کیفیت میں اس کے ہاتھوں سے چیزیں گری ہوں۔ فوج سے نکالے جانے کا پروانہ پڑھتے ہوئے شاید ایسا ہوا تھا۔ اس کے بعد نہیں۔ اسے کم از کم یاد نہیں تھا۔

وہ بے دم سا ہو کے اس کاغذ کو دیکھے جا رہا تھا۔

باہر دیوار کی منڈیر پہ دونوں اطراف دو موٹے تازے بلے گھات لگائے کھڑے تھے۔ ان کی چمکتی آنکھیں ان نوعمر چوزوں پہ جمی تھیں۔

بے فکر چوزے سارے میں اچھلتے پھر رہے تھے۔ یہ ان کی جوانی کے دن تھے۔ آنکھوں میں خواب سجائے، وہ بارش سے نم

ہوئے گھاس پہ ہنستے ہوئے کھیل رہے تھے۔

انہیں خبر نہیں ہوئی کہ کب دونوں اطراف سے سیاہ ہیولے ان کے اوپر حملہ آور ہوئے تھے۔

انہوں نے زور زور سے دہائی دی۔

مرغی اپنی جگہ سے اٹھ کے چلانے لگی۔

ایڈم کو شور سنائی دے رہا تھا مگر وہ اتنا ششدر بیٹھا تھا کہ اس پہ اثر نہیں ہوا۔ ایبو ابھی نہانے گھسی تھی۔ ساتھ میں اس نے ہاتھ کے ہاتھ اپنے کپڑے بھی دھو لیے تھے اور پانی کی آواز نے بے زبان پرندوں کی چیخوں کا راستہ روک دیا تھا۔

وہ جب تولیے میں سر لپیٹے باہر برآمدے میں آئی تو مرغی بلک بلک کے روئے جا رہی تھی۔ ہر طرف چوزوں کے پر بکھرے تھے۔ کہیں خون تھا اور کہیں کٹے ہوئے پنجے۔

ایک چوزہ بھی نہ بچا تھا۔ مرغی ایک ایک کونے میں جا کے روتے ہوئے چونچ مارتی۔ پھر سر رگڑتی۔

ایبو کے ہاتھ سے تولیہ نیچے گر گیا۔

باہر سڑک کنارے ایک بلا چوزے کے کٹے سر کو دانتوں سے ادھیڑتا دکھائی دے رہا تھا جبکہ دوسرا اتنا کھا چکا تھا کہ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ وہ دوسری گلی تک بمشکل پہنچ پایا۔ پھر ایک درخت کی ڈھنڈی میٹھی چھایا میں پیر پسار کے لیٹا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ساتھ ہی وہ زبان لبوں پہ پھیرتا خون صاف کر رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

چھٹی رات:۔

ملاکہ کا سمندر اس رات ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہہ رہا تھا۔ چاند کی روشنی سے نہایا ساحل اندھیرے میں بھی روشن دکھتا تھا۔ لہریں ساحل تک آتیں اور اسے بھگو کے واپس پلٹ جاتیں۔

ساحل کے اس حصے میں رش نہیں تھا۔ اکا دکا لوگ پتھروں پہ ٹہل رہے تھے۔ وہیں ایک بڑے پتھر کے کنارے بیٹھا فاتح گھٹنوں پہ نوٹ پیڈ رکھے لکھتا جا رہا تھا۔ چاندنی اس کے صفحے پہ پڑتی اس کو چمکا رہی تھی۔

"ڈیئر تالیہ......

میں بنگارایا ملایو قریباً آدھی پڑھ چکا ہوں اور یہ وہ کتاب نہیں ہے جو مجھے کورس میں پڑھائی گئی تھی۔ اس کتاب میں ایک سحر انگیز عورت تھی جو سب کرنا جانتی تھی۔ وہ عورت یہاں بھی ہے..... شہزادی تاشہ.... مگر ہر شے جاننے کے

باوجود وہ کمزور بھی پڑ جاتی ہے اور اپنے باپ سے خوفزدہ بھی رہتی ہے۔ وہ وانگ لی کے غلام فاتح کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے کوشش کر رہی ہے مگر اس کی کوششیں کامیاب نہیں ہو پا رہیں۔ وہ اپنے اندر کے شیاطین سے لڑ رہی ہے اور دربار میں اس کو عورت ہونے کے باعث کمتر سمجھا جاتا ہے۔ وہ سلطان مرسل کی ہر اس منٹ سے پریشان بھی ہے۔

میں اس عورت سے پہلی دفعہ واقف ہوا ہوں۔ جس بنگارایا ملایو کو دوسروں نے پڑھا ہے' وہ شہزادی تاشہ پسونا اور اس کی عظیم فتوحات کی کہانی تھی۔ یہ بنگارایا ملایو تاشہ اور اس کے محبوب غلام فاتح کی کہانی ہے۔ مجھے اپنے نام کے کردار کو پڑھ کے اچھا لگا ہے۔ شاید اسی لیے تم مجھے یہ داستان پڑھوانا چاہتی تھیں۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے میں خود کو اسی قدیم زمانے میں محسوس کرتا ہوں اور یہ بھول جاتا ہوں کہ میں جدید ملاکہ میں چند دن کی چھٹی پہ آیا ہوں۔ اپنا فون آف کر کے' سارے زمانے کے کام پس پشت ڈال کے میں وان فاتح کو ڈھونڈنے آیا تھا اور ابھی تک میں صرف غلام فاتح کو دریافت کر سکا ہوں۔"

اس کی جیب میں رکھا فون تھرتھرانے لگا تو اس نے گہری سانس لے کر خط مکمل کیا اور اسے تہہ کر کے دوسری جیب میں ڈالا۔ پھر فون نکال کے دیکھا۔

یہ ایک چھوٹا فون تھا جس میں اس کا ایک دوسرا نمبر تھا جو صرف عصرہ اور بچوں کے پاس تھا۔ یہ اسمارٹ فون نہیں تھا کیونکہ وہ کچھ دن کے لیے سوشل میڈیا سے دور رہنا چاہتا تھا۔

"کہو عصرہ۔" اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے تکان سے پوچھا۔

"فاتح..... تم پلیز واپس آجاؤ۔"

"کیا میرے بغیر پارٹی چند دن کے لیے نہیں چل سکتی عصرہ؟" وہ اکتا گیا تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے فاتح۔ کہ پارٹی والے اب تمہارے بغیر چلنے کا سوچ رہے ہیں۔"

فاتح ایک دم تیزی سے سیدھا ہوا۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

چھٹا دن:۔

اس بلند و بالا عمارت کے دو فلورز بی این کے لیے مختص تھے۔ بالائی فلور ایگزیکٹو فلور تھا جبکہ اس سے نچلی منزل میں پریس روم بنا تھا جہاں صحافیوں کو آنے کی اجازت تھی۔ اس وقت وہ کمرہ کارکنوں اور صحافیوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ سب خالی پوڈیم کو

دیکھتے ہوئے آپس میں چہ مگوئیاں کررہے تھے۔

''سنا ہے فاتح صاحب کل رات اپنی چھٹی منسوخ کر کے واپس آگئے ہیں۔''

''جب کرسی ہاتھ سے جارہی ہو تو انسان اگلے جہان سے بھی لوٹ آتا ہے۔'' سر جوڑے دو رپورٹرز کہہ رہے تھے۔

''چار دن میں پارٹی میں دو مضبوط لابیز بن چکی ہیں۔ گاڈ۔ صرف چار دن میں۔'' ایک خاتون رپورٹر ماتھے کو چھو کے کہہ رہی تھی۔ ''فاتح صاحب کے جانے کی دیر تھی' ہشام جرجیس بھی پارٹی پہ قبضہ کرنے کو تیار ہے اور اشعر محمود تو خاندان ہونے کے باعث اس کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ ہم عورتیں تو ایسے ہی بدنام ہیں۔ یہ مرد سیاستدان کسی سے کم ہیں کیا۔''

''دیکھتے ہیں اب فاتح صاحب کس طرف جھکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں پارٹی میں دراڑ پڑ جائے گی۔''

''ہاں تو دراڑ ہشام جرجیس اور اشعر محمود نے ہی ڈالی ہے نا۔ انہوں نے اپنے اپنے چہیتے رپورٹرز کے ذریعے میڈیا پہ یہ خبر اڑائی کہ اگلا نائب چیئرمین ان کو بنایا جارہا ہے۔ اسی طرح تو lobbying کی جاتی ہے۔ عوام اور چیئرمین کے ذہن میں بات ڈال کے خود تماشا دیکھا جاتا ہے۔'' ایک عمر رسیدہ اینکر پرسن وہاں بیٹھا تبصرہ کررہا تھا۔ ابھی اس کی بات درمیان میں تھی جب پوڈیم کے پاس ہلچل مچی اور سب سیدھے ہونے لگے۔

کیمرہ مین تیار ہوئے۔ رپورٹرز نے ریکارڈرز اور قلم تھام لیے اور فلیش جلنے بجھنے لگے۔

فاتح رامزل سامنے سے چلا آرہا تھا۔

گرے سوٹ میں ملبوس' اسٹرائپس والی ٹائی پہنے' جیل سے بال پیچھے کو جمائے' اس کی رنگت قدرے ٹین لگتی تھی البتہ تاثرات سنجیدہ تھے۔ وہ واضح طور پہ ناخوش دکھائی دیتا تھا مگر ساتھ ہی جیسے مطمئن بھی تھا۔

پوڈیم پہ جاکے وہ رکا۔ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ اس نے سنجیدگی سے سب کو سلام کیا اور ان کے آنے کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے دائیں ہاتھ عصرہ اور چند پارٹی عہدیدار کھڑے تھے۔ اشعر یا ہشام کہیں نہیں تھے۔

''میری رنگت سے آپ کو معلوم ہورہا ہوگا کہ میں چند دن کے لیے چھٹی پہ گیا تھا مگر میرے پیچھے میڈیا میں اتنی قیاس آرائیاں کی گئیں کہ مجھے فوری واپس آنا پڑا۔''

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ ہال کو دیکھتا مائیک میں کہہ رہا تھا۔ کیمروں سے کلک کلک کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں۔

''ملاکہ میرے لیے ایک ہوم ٹاؤن کی حیثیت رکھتا ہے۔ میری بیٹی آریانہ اپنی موت سے پہلے میرے ساتھ آخری دفعہ جس جگہ گئی تھی وہ ملاکہ ہی تھا۔ ملاکہ جاکے میں ہر دفعہ اپنی بیٹی کو مس کرتا ہوں۔ اس دفعہ البتہ مجھے اس کی موت یاد آئی تو ایک خیال شدت سے ستانے لگا کہ اگر اسی طرح وان فاتح مر گیا تو کیا ہوگا۔''

رپورٹرز نے قلم روک دیے۔ کیمرہ مین کیمروں کے عقب سے گردنیں نکال کے صدمے سے اسے دیکھنے لگے۔ ہال پہ ایک ششدر سی خاموشی چھا گئی۔ اسٹیج پہ موجود لوگوں میں کھڑی عصرہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد کیمرہ مین ان آنکھوں کا عکس محفوظ کرنے لگے۔

”ملاکہ میں یہ اتنے دن میں نے اپنے لوگوں کے درمیان ایک عام آدمی کی حیثیت سے گزارے اور ایک بات میں نے سمجھ لی کہ کوئی بھی انسان ناگزیر نہیں ہوتا۔ جیسے تاریخ کے بڑے بڑے مجسمے ایک ٹھوکر سے گر جایا کرتے ہیں اسی طرح کبھی دان فاتح بھی ایک ٹھوکر سے مر سکتا ہے۔ تو پھر میں اپنے پیچھے کیا چھوڑ کے جا رہا ہوں؟ میری legacy کیا ہو گی؟“

اس کی بھاری آواز ہال سارے میں گونج رہی تھی۔ غور سے دیکھو تو آنکھوں کی سنجیدگی اور سرخی بتاتی تھی کہ وہ غالباً رات بھر سویا نہیں تھا اور اسی چیز پہ کام کرتا رہا تھا۔

”کچھ شرارتی لوگوں نے پارٹی میں دراڑ ڈالنے کے لیے دو لابیز بنا دی ہیں جس کا مقصد صرف یہی ہے کہ پارٹی کو تقسیم کر کے توڑا جائے۔ اگر میں ملاکہ نہ جاتا تو میں کبھی شاید نائب چیئر مین کا عہدہ برسوں بعد پھر سے بھرنے کا نہ سوچتا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ بی این میں ایک عرصے سے اس عہدے کو بھرنے کا رواج ختم ہو چکا ہے۔ چیئر مین اپنے نیچے والوں سے اتنا ڈرا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اس عہدے کو خالی رکھتا ہے۔ اور الیکشن کے پراسیس میں اس عہدے کا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ مگر وان فاتح مرنے سے یا نکالے جانے سے نہیں ڈرتا۔ مجھے اپنے ملک کے لوگوں کے لیے کام کرنا ہے اور مجھے اس میں ایک ایسے نائب چیئر مین کا ساتھ چاہیے جس کی دیانتداری سے میں واقف ہوں' اور جس کا انتخاب پارٹی کو تقسیم نہ کرے۔“

وہ رکا اور پھر مسکرا کے بولا۔ ”اور جو مجھے قتل کرنے کی ہمت نہ کرے۔“

ہال میں سب ایک دم ہنس دیے۔ ماحول کا تناؤ رفع ہونے لگا۔ فاتح توقف کے بعد مائیک میں کہنے لگا۔

”اس عہدے پہ قانوناً میں کسی کو بھی تعینات کر سکتا ہوں۔ میرے کسی بھی صورت میں اپنی کرسی چھوڑنے پہ اگلے تین ماہ کے لیے نائب چیئر مین کو میرا عہدہ مل جائے گا اور ان کو پارٹی الیکشن کروا کے اگلے چیئر مین کا چناؤ کروانا ہو گا۔“

وہ کہہ رہا تھا اور ایک رپورٹر نے دوسرے کے کان میں سرگوشی کی۔ ”ایک دفعہ وان فاتح نے کسی کو نائب بنا دیا تو اس نے آتے ساتھ ہی ایگزیکٹو حکم سے پارٹی الیکشن کو غیر ضروری قرار دے دینا ہے۔ یوں وہی نائب بڑی آسانی سے اگلے سال ملک کا وزیر اعظم بن سکتا ہے۔“

”شش۔“ پیچھے سے کسی نے اسے چپ کروایا۔

”میں چیئر مین کی حیثیت سے اس عہدے کے لیے..... “فاتح نے رک کے حاضرین کا چہرہ دیکھا۔”..... بی این کی ایک

پرانی پارٹی ورکر جو گزشتہ دس سال سے پارٹی سے منسلک ہیں اور.... اپنی بیوی..... عصرہ محمود کو نامزد کرتا ہوں۔"

عصرہ نے نم آنکھوں سے مسکرا سینے پہ ہاتھ رکھے سر کو خم دیا۔ چند لمحے کے لیے تمام لوگ ششدر رہ گئے پھر ایک دم تالیوں کا شور گونجا اور مبارک سلامت کے نعرے بلند ہوئے۔ عصرہ چند قدم آگے بڑھی۔ اب وہ اپنے شوہر کے بالکل برابر میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ فلیش لائیٹس کی روشنیاں ان دونوں کے چہروں پہ پڑ رہی تھیں۔ دی پاور کپل۔

فاتح نے مسکرا کے لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور پھر مائیک پہ چہرہ جھکایا۔

"اس سے پہلے کہ کوئی اس کو اقربا پروری کہے' میں یہ واضح کر دوں کہ اگر مجھے رشتے داروں کو نوازنا ہوتا تو اشعر محمود کو نوازتا لیکن میں ایسا کچھ نہیں کروں گا جس سے پارٹی تقسیم ہو۔ جو اس فیصلے پہ تنقید کرنا چاہیں میں ان سے پوچھوں گا کہ جب صوفیہ رحمٰن کو ان کے والد نے اپنا نائب مقرر کیا تھا تو کیا تب بھی ایسی ہی تنقید کی گئی تھی؟ جیسے دنیا بھر میں بیویاں اپنے شوہروں کی سیاست اور کیمپین میں ان کی مدد کرتی ہیں اسی طرح عصرہ میری مدد کریں گی۔ جیکی کینیڈی ہو یا وکٹوریا اور البرٹ کی کہانی' کسی بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ کام کرنا برا نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ البتہ عصرہ اس عہدے کی نہ تنخواہ لیں گی اور نہ ہی دوسری مراعات۔ یہ بھی نہیں سمجھا جانا چاہیے کہ میں پارٹی کو اپنے خاندان کی جاگیر بنا رہا ہوں کیونکہ میرا یہ عہدہ چھوڑنے کی صورت میں عصرہ صرف تین ماہ کے لیے چیئرمین ہوں گی اور پھر جمہوری طریقے سے الیکشن کے ذریعے اگلا چیئرمین چنا جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے لیے واضح کر رہا ہوں جن کو میرے مرنے کی بہت جلدی ہے۔"

مسکرا کے بولا تو جہاں چند لوگ ہنسے وہاں بہت سوں نے دہل کے اسے لمبی عمر کی دعائیں دے ڈالیں۔

ملک بھر کی ٹی وی اسکرینز پہ وہ منظر دکھایا جا رہا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی ساتھ ساتھ کھڑے تھے اور مسکرا کے لوگوں کی مبارکباد وصول کر رہے تھے۔

ہشام جرجیس اپنی کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا سیل فون پہ وہ ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

اس سے چند میل دور اپنے قلعے کے لاؤنج میں تنہا بیٹھا اشعر سگریٹ پھونکتے ہوئے پلازمہ اسکرین پہ نظر آتی لائیو پریس کانفرنس دیکھ رہا تھا۔ اڑتالیس گھنٹے کے لیے انہوں نے میڈیا اور سوشل میڈیا پہ جو افواہیں چلائی تھیں ان کے نتیجے میں فاتح رات واپس آ گیا تھا۔ صبح تک عصرہ اس کو اپنے انداز میں سمجھاتی رہی تھی اور مرد چاہے غلام ہو چاہے بادشاہ' وہ اپنی بیوی کی اپنی ہمدردی میں کہی بات کو ہمیشہ غور سے سنتا ہے۔

عصرہ نے ایک حل پیش کیا اور فاتح نے اسے مان لیا۔ ساری دنیا میں اگر کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا تو وہ اس کے بچوں کی ماں تھی۔

ہشام اور اشعر کو صبح ہی صبح وان فاتح کی طرف سے ایک پیغام بھی بھیج دیا گیا تھا۔

''دوبارہ مجھے تم میری پارٹی' میرے گھر یا میرے ارد گرد نظر نہ آؤ۔''

وہ فاتح کا اعتبار کھو چکے تھے اور اب وہ کبھی عصرہ کے مقابلے میں ان کی بات کا اعتبار نہیں کرے گا۔

☆☆=========☆☆

داتن نے یہ پریس کانفرنس ایک ریستوران میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھی تھی۔ آج کل وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ رہ رہی تھی اور جو بھی تھا' وہ پرسکون لگتی تھی۔ تالیہ کی طرف سے یہ تسلی دل کو تھی کہ وہ واپس آ جائے گی۔ البتہ یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کو اتنا مس کرے گی۔ مگر اسی طرح شاید اسے ایک صاف ستھری زندگی مل جائے۔

اسکرین پہ عصرہ کی فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ کے وہ طنز سے مسکرائی تھی۔

''واہ.....وان فاتح.....اپنی کرسی سونپی بھی تو کس عورت کو؟ اپنی بیٹی کی قاتل کو۔ جو اسے قتل کر سکتی ہے وہ تمہیں بھی کر سکتی ہے مگر یہ سیاستدان اور ان کی یادداشت......بہت جلد سب بھول جاتے تھے۔''

عصرہ کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ عصرہ نے کوئی ایسی حرکت کی ہی نہیں تھی جو قابلِ گرفت ہو۔ تالیہ کی غیر موجودگی نے داتن کی عصرہ پہ رہنے والی نگرانی کو بھی ختم کر دیا تھا۔

تبھی انکھیوں سے اسے کوئی بہت تیزی سے ریستوران میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔

وہ ایڈم تھا اور نڈھال سا لگتا تھا۔ تیزی سے سامنے کرسی کھینچی اور کاغذات کا ایک پلندہ سامنے رکھا۔

''آرام سے.....آرام سے.....تم تو واقعی دس منٹ میں پہنچ گئے ہو۔'' داتن نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر اس کے حلیے کو۔ ''اور صبح منہ نہیں دھویا تھا کیا؟ اب سلیبریٹی جرنلسٹ بن گئے ہو تو اصلیت ضرور دکھانی ہے لوگوں کو۔ صبح تمہاری ایبو کا فون آیا تھا۔ وہ رو رہی تھیں کہ سارے چوزے بلی کھا گئی۔ اب چوزوں کے مرنے پہ بھی کوئی روتا ہے بھلا؟''

پھر یاد آیا۔

''اوہ.....تم تالیہ کی وجہ سے پریشان ہو۔'' اس نے آواز دھیمی کی۔ ''فکر نہ کرو۔ وہ واپس آ جائے گی۔ صوفیہ رحمن اسے نقصان پہنچا کے کبھی فاتح رامزل کی سنگین دشمنی مول نہیں لے گی۔ اور تم نے دیکھا.....وہ عصرہ نائب چیئرمین بن گئی۔'' داتن نے محظوظ انداز میں اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اب تیار رہو۔ بیوی کو یہ عہدہ دینے پہ دان فاتح اور ان کے مضافات میں میڈیا کی گالیوں کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

''کون تالیہ؟ کون عصرہ؟ میری یہاں دنیا برباد ہو گئی ہے اور آپ کو ان ساری باتوں کی پڑی ہے۔'' وہ جیسے فرسٹریشن سے

پھٹ پڑا تھا۔

لیانہ چونکی اور سیدھی ہوئی۔ پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ صدیوں کا بیمار لگتا تھا۔

''ایڈم۔ کیا ہوا ہے؟'' پھر اس کے کاغذات کو دیکھا۔ ''تم کہیں تیسری کتاب تو نہیں لکھنے جا رہے؟''

''انسان کو بڑے بول نہیں بولنے چاہیے ہیں داتن۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے صرف بڑے بول بولنا۔ ہم مستقبل کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے۔'' وہ واقعی روہانسا ہوا کہہ رہا تھا۔ اب کے داتن کو تشویش ہوئی۔

''کس نے کر دیا دعویٰ؟''

''تین لوگوں نے تین دعوے کیے تھے۔ یاد ہے وہ میوزیم جہاں چے تالیہ نے صوفیہ رحمٰن اور وان فاتح کی ڈی بیٹ کروائی تھی؟ وہاں صوفیہ رحمٰن نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے۔ کیونکہ جائیداد چھپانا جرم ہے۔'' وہ تیز تیز بولے جا رہا تھا۔ اتنا تیز کہ اسے سانس چڑھنے لگا۔ داتن بمشکل اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''دوسرا دعویٰ ایڈم بن محمد نے کیا تھا۔'' اس نے گویا اپنے ہی سر پہ ہاتھ مارا۔ ''بانگ وبل اپنی بک لانچ پہ بکواس کی تھی میں نے کہ کسی آف شور کمپنی ہولڈر کا نام نہیں چھپاؤں گا۔ ایک ایک نام پوری دیانت داری سے عوام کے سامنے لاؤں گا۔ میں پھنس گیا ہوں داتن۔ ہم سب اپنے ہی الفاظ کے طوق میں اپنی گردنیں پھنسا بیٹھے ہیں۔''

''ایڈم..... ایڈم..... تم بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔''

''تیسرا دعویٰ..... میوزیم میں اسی ڈی بیٹ میں وان فاتح نے کیا تھا کہ ان کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے۔'' اس نے ایک کاغذ نکالا اور پٹخنے کے انداز میں داتن کے سامنے رکھا۔

''یہ رہے آریانہ رامزل ہولڈنگ کے کاغذات۔ وان فاتح کی آف شور کمپنی جو کلائیڈ اینڈ لی میں انہوں نے کافی عرصے سے بنا رکھی ہے۔ یہ کمپنی ان کے دستخط، ان کے پاسپورٹ کی کاپی اور ان کی اپنی مرضی سے بنی ہے۔ دیکھیں یہ سب۔''

داتن کا منہ مارے صدمے کے کھل گیا۔

''نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ مجھے..... مجھے اس آدمی سے لاکھ اختلافات سہی لیکن وہ ایماندار آدمی ہے۔ وہ کبھی بھی جائیداد یوں چھپا کے ٹیکس چوری نہیں کر سکتا۔'' وہ بے یقینی سے ان کاغذات کو دیکھ رہی تھی۔ دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

ایڈم کو نہیں یاد اس کی آنکھوں میں فوج سے بے عزت کر کے نکالے جانے کے بعد آنسو کب آئے تھے۔

آج برسوں بعد آئے تھے۔

''داتن۔'' اس نے گیلی آنکھوں سے اپنی دوست کو دیکھا۔ ''اگر میں نے یہ کاغذات پبلک کر دیے تو سب جان جائیں

گے کہ فاتح صاحب اور صوفیہ رحمٰن کا جرم ایک جیسا ہے۔ وہی جرم جس پہ وہ صوفیہ سے استعفیٰ مانگ رہے تھے۔ ان کی ساری زندگی ان کا کیریئر ان کے خواب سب ختم ہو جائے گا۔ داتن اگر میں نے ان کا نام دوری نگارہ ملایو کے دوسرے حصے میں لکھ دیا تو...... ''ایک آنسو شاہی مورخ کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھک گیا۔'' ..... تو وان فاتح کبھی ملائیشیا کے وزیر اعظم نہیں بن سکیں گے۔ داتن..... مجھے بتائیں میں کیا کروں؟''

وہ کسی ٹوٹے بکھرے بچے کی طرح بے آواز روتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اور اس لمحے شل بیٹھی داتن کو احساس ہوا تھا کہ ایبو کی مرغی کے دل پہ اپنا آشیانہ لٹتے دیکھ کے کیا گزری ہوگی۔

☆☆=========☆☆

ساتویں رات:۔

حالم کا بنگلہ خاموشی میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج کے پردے برابر تھے اور اندر صرف کچن کی بتی جل رہی تھی۔ چائے کی مہک نے سارے کو معطر کر رکھا تھا۔ وہ کچن کاؤنٹر کے اسٹول پہ بیٹھا نوٹ پیڈ پہ پانچواں خط لکھتا جا رہا تھا۔ کوٹ پیچھے صوفے پہ پڑا تھا اور شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے۔

کے ایل آنے کے بعد وہ اس گھر کی زیارت کے لیے نہ آتا یہ ممکن نہیں تھا۔

''ڈیئر تالیہ......

میں اس امید کے ساتھ واپس آیا تھا کہ تم یہاں ملو گی۔ مگر تم ابھی تک نہیں آئی ہو۔ تمہارے پیچھے ملائیشیا میں بہت کچھ تبدیل ہو گیا ہے۔ خود وان فاتح تبدیل ہو چکا ہے۔ میں نے میڈیا اور ناقدین کی تنقید کی پرواہ کیے بغیر ایک بڑا فیصلہ لیا اور میں خود بھی اتنا خوش نہیں تھا مگر خلاف توقع لوگوں نے اسے سراہا ہے۔ اس وقت کوئی یہ بات نہیں کر رہا کہ یہ عہدہ میں نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ سب یہی کہہ رہے ہیں کہ فاتح نے پارٹی کو تقسیم ہونے سے بچایا ہے۔ مگر سچ پوچھو تو اگر لوگ تنقید کرتے تب بھی میں پرواہ نہ کرتا۔

میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میری جتنی زندگی باقی ہے اس کو میں اپنے لوگوں کو نفع پہنچانے میں صرف کروں۔ ہر شے سمندر کی جھاگ کی طرح ہے۔ سب بہہ جائے گا۔ باقی صرف ایک شے رہ جاتی ہے۔ وہ جو لوگوں کو فائدہ دے۔ میں مستقبل کے خوف سے آزاد ہو کے جینا چاہتا ہوں۔ وان فاتح کا نام بھی تاریخ میں تب ہی باقی رہے گا جب وہ لوگوں کو نفع دے گا۔ ورنہ جھوٹی تعریفوں سے بھری کتابیں اگر پیچھے صدیوں تک پڑھائی بھی جائیں، تب بھی سچ کے آتے ہی وہ پسِ پشت چلی جاتی

ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس اصلی بنگار ایا ملایو کو لوگوں کے سامنے لاؤں۔ گو کہ اس میں آخری ابواب شامل نہیں ہیں مگر غلام فاتح کی کہانی وانگ لی کے کارناموں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ جس بت کا میں اتنے عرصے سے فین تھا وہ تو مٹی کا ایک ڈھیر نکلا۔ تم آجاؤ تو ہم اس کتاب کو آکشن کر دیں گے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم تمہارے کام آئے گی۔ یہ کتاب تمہاری ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے ملی ہے۔ میں اسے تمہیں لوٹانا چاہتا ہوں۔ البتہ ابھی میں نے اسے مکمل نہیں کیا۔

پانچ دن پہلے اسی جگہ بیٹھے جب میں نے تمہیں خط لکھا تھا تو میں تم سے خفا تھا کیونکہ تم نے میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں پراسیکیوٹر کو الٹی سیدھی باتیں کہی تھیں۔ لیکن ان پانچ دنوں نے میرے ذہن سے وہ باتیں نکال دی ہیں۔ مجھے ابھی تک تمہاری باتوں کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی لیکن اب میں نے تالیہ اور تالیہ کے پلانز پہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔

میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔

آزاد فاتح!"

☆☆=========☆☆

پانچواں خط بھی مکمل ہو چکا تھا اور وہ کتنی ہی دیر اسے پڑھتی رہی تھی۔ آنسوؤں نے ان خطوط کو بھی بھگو دیا تھا۔ وہ روتی گئی اور پڑھتی گئی۔ پھر ان کو ترتیب سے سیٹ کیا اور ٹوکری میں واپس رکھ دیا۔ گھڑی دیکھی تو خیال آیا اسے وقت کی بندا ہارا کے سامنے کرسی پہ بیٹھ کے مذاکرات کے لیے جانا تھا۔ وہ آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے کسی کو کال نہیں کرنی تھی۔ اسے کسی سے بات نہیں کرنی تھی۔ اسے آزادی چاہیے تھی۔ اپنی آزادی کے لیے اسے اکیلے ہی لڑنا تھا۔ وہ جانتی تھی۔

ریسٹ ہاؤس کے لان میں دو کرسیاں رکھی گئی تھیں اور اردگرد سیکیورٹی افسران کھڑے تھے۔ تالیہ مراد ایک کرسی پہ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کے تیل اب کنسیلر کی تہوں میں چھپے تھے۔ سفید براق اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس' وہ سیاہ بالوں پہ ترچھا سفید ہیٹ پہنے بیٹھی بور سی ہو کے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

سامنے والی کرسی خالی تھی۔ قریب کھڑا دولت بار بار گھڑی دیکھ کے ادب سے کہتا تھا۔

"بس پندرہ منٹ اور..... دس منٹ اور....." اور پھر جب دس منٹ ختم ہوئے تو نشیب سے آتی سڑک پہ سیاہ شیشوں والی کارز آتی دکھائی دیں۔ گارڈز میں ہلچل مچ گئی۔ وہ البتہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

پہلی کار سے اترنے والی خوبصورت عورت گلابی لمبی اسکرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس پہ اس نے گلابی اسٹول سر

پہ لے رکھا تھا اور گردن میں پہنے موتی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مسکرا کے سب کے سلام کا جواب دیتی کرسیوں کے قریب آئی تو تالیہ مراد اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یانگ دی برحرمت۔'' (عزت مآب) اس نے خشک لہجے میں سر کو خم دے کر کہا۔ نظریں پردھان منتری کے سرخ و سفید چہرے پہ جمی تھیں جو میک اپ سے مزین بے حد کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے کون وومن سے مصافحہ کیا اور کرسی پہ بیٹھی۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں، یانگ دی برحرمت؟ کیونکہ اب تو میری جان آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''کال می صوفیہ۔'' وہ خوشگوار انداز میں بولی۔ ''اور تمہاری جان میرے قلم کی محتاج تب ہو گی جب تم ڈیل پہ سائن کرو گی۔ اس سے پہلے تک تم آزاد ہو۔''

تالیہ کرسی پہ آگے ہو کے بیٹھی اور چبھتی نظروں سے اس عورت کو دیکھا۔

''کیا میرے پاس کوئی چوائس ہے؟ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو آپ لوگ میرے خلاف مقدمے چلائیں گے۔''

صوفیہ رحمٰن ٹیک لگا کے بیٹھی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جما رکھی تھی۔ اس سوال پہ اس نے ہیرے کی انگوٹھی سے مزین ہاتھ جھلایا اور اگلے ہی پل تمام سیکیورٹی گارڈز دور ہٹتے گئے۔ صرف دولت تھا جو پردھان منتری کی کرسی کے پیچھے کھڑا رہ گیا۔

''کیا تمہیں اپنے باپ سے محبت تھی تالیہ؟'' صوفیہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھنے لگی۔

تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ حلق میں کچھ اٹکا۔

''بہت زیادہ۔''

''لیکن تمہارا باپ ملک کا پردھان منتری نہیں تھا۔ میرا باپ تھا۔ وہ میرا ہیرو تھا۔ وہ ملائیشیا کے کروڑوں ووٹرز کا ہیرو ہے۔ میں آج اپنے باپ کے لیے اپنے دشمن کے سامنے بیٹھی ہوں۔ کیا تم اندازہ کر سکتی ہو کہ صوفیہ کو اپنے مرے ہوئے باپ سے کتنی محبت تھی؟''

تالیہ نے ہیٹ اتارا اور میز پہ رکھ دیا۔ بولی کچھ نہیں۔

''جانتی ہو پردھان منتری کی بیٹی کتنی مجبور ہوتی ہے؟''

تالیہ نے محض نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ (وہ سمجھ سکتی تھی۔)

''اتنی مجبور کہ اس کے پاس اپنے دشمن کو ختم کرنے کا اتنا اچھا موقع تھا..... (ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا).....جتنا میرا کلاس فیلو تمہارے لیے فکرمند رہا ہے، اگر میں تمہیں جیل میں مروا دیتی یا کورٹ میں تمہاری تذلیل کرواتی تو وہ ٹوٹ ہی

جاتا۔ کتنا آسان ہو جاتا میرے لیے اگلا الیکشن جیتنا۔ میں فاتح کی زندگی کی سب سے قیمتی چیز لے سکتی تھی مگر.....آہ.....میری اپنے باپ سے محبت آڑے آ گئی۔"

تالیہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکنے لگا مگر وہ خشک آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

"تمہارے اور تمہارے لیڈر کے نزدیک میں ایک چور عورت ہوں مگر چوروں کو بھی اپنے باپ پیارے ہوتے ہیں' تالیہ۔ اسی لیے میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔ کیا تم میرے باپ کے لیے ایک کام کر سکتی ہو؟"

تالیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی۔ میں کروں گی۔ لیکن کیا مجھے اپنی پچھلی زندگی کے اعمال کے لیے امیونٹی (سزا سے معافی) مل جائے گی؟"

"بالکل۔ میں لکھ کے دینے کو تیار ہوں۔ اس حکم نامے کو اگلا وزیراعظم بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔ اور آج تمہاری جاب شروع ہونے کے وقت سے.....تم ہر جائز اور ناجائز کام کرنے کے لیے آزاد ہو۔ یہ جاب مکمل ہونے تک تم بڑے سے بڑا جرم بھی کر لو تو تمہیں ملائیشیا میں کوئی چھو بھی نہیں سکتا اور باہر تمہیں ڈپلومیٹ کا اسٹیٹس ملے گا۔"

"باہر؟" وہ چونکی۔ "مجھے باہر جانا ہو گا؟"

صوفیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں۔ اسی ملک جہاں وہ موجود ہے۔"

تالیہ نے لان کی گھاس پہ کھڑے دولت کو ایک نظر دیکھا جو سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ اور پھر الجھ کے صوفیہ کو مخاطب کیا۔

"مگر میں ہی کیوں؟ آپ کے پاس تو اتنے بہترین لوگ ہیں۔ انہوں نے اتنے دن تک مجھے Con کیے رکھا۔"

"مگر تم نے آخر میں ان کا con پکڑ لیا۔ ہے نا؟ میرے بابا کہتے تھے' بہترین کون گیم وہ ہوتی ہے جس میں ٹارگٹ کو کبھی معلوم نہ ہو سکے کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ میرے پاس ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو تمہاری طرح کا ذہن رکھتا ہو۔ یہ لوگ اس کام کو نوکری کی مجبوری میں کریں گے۔ تم اپنی آزادی کے لیے اپنی جان لگا کے کرو گی۔ اور میں یہ کام ان کو کیسے دوں جب کہ ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ کام کرنا کیسے ہے۔ خود مجھے بھی نہیں۔" وہ اداسی سے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

تالیہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"کام کیا ہے؟"

"تم نے ایک دوسرے ملک سے میرے لیے ایک چیز چرا کے لانی ہے۔"

"کیا؟"

صوفیہ رحمٰن کے اگلے الفاظ سمجھنے اور ہضم کرنے میں اسے چند منٹ لگے تھے۔ وہ بار بار دولت اور صوفیہ کا چہرہ دیکھتی تھی۔

پردھان منتری خاموش ہوئی تو تالیہ نے تھوک نگلی۔

''ٹھیک ہے۔میں کردوں گی۔لیکن اگر میں وہاں جا کے بھی ناکام لوٹی تو؟''

''تمہارے پاس یہ آپشن نہیں ہے تالیہ۔''صوفیہ کے نرم لہجے میں تنبیہہ تھی۔تالیہ نے سر کو خم دیا۔

''لیکن آپ کو کیسے یقین ہے کہ میں وہاں جا کے کبھی واپس لوٹوں گی بھی سہی؟ہوسکتا ہے میں بھاگ جاؤں۔''

''تم کبھی نہیں بھاگو گی کیونکہ وان فاتح یہاں ہے۔''وہ مسکرائی تو اسے یان سو فو یاد آئی تھی۔''اور تم ایک خاندانی لڑکی ہو۔ میرے ساتھ کیا عہد نہیں توڑو گی۔''

''میں ایک کون دو من ہوں۔اگر آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا عہد توڑا تو پھر میں آپ سب کی جان لے لوں گی' یاد رکھیے گا۔'' وہ باری باری دونوں کو دیکھ کے بولی تھی۔

دولت نے ڈیل سامنے رکھی اور قلم اسے دے دیا۔دونوں عورتوں نے دستخط کردیے تو تالیہ نے چہرہ اٹھایا۔

''میں نے حسّان سے ایک وعدہ کیا تھا۔کیا آپ اسے بلا سکتے ہیں؟''اس کے انداز میں طنز تھا۔دولت نے صوفیہ کو دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چند لمحوں بعد حسّان دولت کے برابر میں آکھڑا ہوا تھا۔وہ اس سمن پہ شدید ناخوش لگتا تھا۔

''چے تالیہ...میں آپ سے معذرت کرتا ہوں۔وہ سب ایک اسکرپٹ کا حصہ تھا اور...'' تالیہ کو خود کو گھورتے دیکھا تو چپ ہوگیا۔

اس نے اپنا پرس اٹھایا اور قدم قدم چلتی حسّان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔پھر سلگتی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تالیہ مراد کچھ نہیں بھولتی۔'' یہ کہہ کے وہ پلٹ گئی۔حسّان نے حیرت سے اسے دیکھا جو مڑنے کے بعد رک گئی تھی۔پھر ایک دم وہ واپس گھومی اور پوری قوت سے زوردار مکا برابر میں کھڑے دولت امان کے منہ پہ دے مارا۔

وہ اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔اس کی انگوٹھی دولت کی ناک پہ کسی خنجر کی طرح لگی تھی۔وہ کراہ کے رکوع کے بل جھکا اور منہ پہ ہاتھ رکھا۔ناک سے بھل بھل خون بہنے لگا۔

تالیہ مراد نے اپنی انگوٹھی کو دوسرے ہاتھ سے صاف کیا اور پہلے ہکا بکا سے حسّان کو دیکھا اور پھر پرسکون سی بیٹھی صوفیہ کو۔ دور کھڑے گارڈز اس طرف بھاگ کے آنے لگے مگر صوفیہ نے ہاتھ اٹھا کے انہیں رک جانے کا حکم دیا۔

''چے تالیہ کو immunity حاصل ہے۔وہ کسی کو بھی مارنے کے لیے آزاد ہیں۔''

سپاہی فاصلے پہ رک گئے۔دولت سر جھکائے اپنے بھل بھل خون گراتے ناک کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا۔تالیہ نے مسکرا

کے اسے دیکھا اور جھک کے ایک کارڈ اس کے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا۔

''یہ سنگاپور کا بہترین پلاسٹک سرجن ہے۔ بالخصوص ناک ٹھیک کرنے میں ماہر ہے۔''

وہ تکلیف سے جھکا ہوا تھا۔ چہرہ اٹھا بھی نہ سکا اور وہ ہیٹ سر پہ جماتی ڈرائیو وے کی طرف بڑھ گئی۔

شام میں حنان اس کے گھر آیا اور اس کو ضروری کاغذات' حکومتی معاہدے کی نقل اور اس کا ڈپلومیٹک پاسپورٹ دے گیا۔ ساتھ میں ایک بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات بھی تھیں اور چند کریڈٹ کارڈز۔ وہ جتنے پیسے چاہے خرچ کرسکتی تھی۔ وہ اس ایک شے کو چرانے کے لیے جو چاہے کرسکتی تھی۔

جو اسے کرنا آتا تھا' وہ بالآخر اس کی جان بچانے جا رہا تھا۔

وہ اوپر اپنے بیڈروم میں تھی جب گیٹ پہ کار رکنے کی آواز آئی۔ اس نے کھڑکی سے جھانکا۔ باہر داتن آئی کھڑی تھی۔ اور ساتھ میں ایڈم بھی تھا۔ وہ دونوں چیک کرنے آئے تھے کہ تالیہ واپس آئی ہے یا نہیں لیکن اس نے نہ اپنی کار استعمال کی تھی نہ کسی اور شے کو چھیڑا تھا۔ گھر اسی طرح لاک تھا اور چابی فاتح کے پاس تھی۔ داتن چاہتی تو گھر کھول لیتی لیکن شاید اسے لگا تھا کہ وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔ اس لیے کچھ دیر بعد وہ دونوں مایوس سے واپس چل دیے۔ وہ چپ چاپ انہیں کھڑکی کی درز سے دیکھتی رہی۔ اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔

رات اس نے حالم کے بنگلے کی کوئی بتی نہیں جلائی۔ گھر اسی طرح اندھیرے میں ڈوبا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب اسے کار کی آواز آئی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ یہ اس شخص کی کار تھی جو اپنے مگ کاؤنٹر پہ چھوڑ جانے کا عادی تھا۔

وہ اندھیرے میں لاؤنج کے اوپری زینوں پہ آکے چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ کچھ دیر بعد لاک کھلنے کی آواز آئی اور پھر بھاری بوٹ اندر داخل ہوئے۔ وہ اندھیرے میں بھی اسے دیکھ سکتی تھی۔ وہ ویسا ہی تھا یا شاید بدل گیا تھا۔ وہ گھٹنوں پہ تھوڑی جمائے اسے دیکھے گئی۔

وہ کچن کاؤنٹر تک آیا اور چھوٹا بلب جلا دیا۔ اب صرف کچن میں روشنی تھی۔ سیڑھیاں ہنوز تاریک تھیں۔

اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور پھر اسی اسٹول پہ بیٹھ کے چائے پینے لگا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا مگر اسی لمحے اس کا فون بجنے لگا۔ فاتح نے فون اٹھا کے کان سے لگایا۔

''کون آیا ہے؟ اچھا وہ لوگ۔ ٹھیک ہے میں گھر آتا ہوں۔'' انداز سے لگتا تھا گھر کوئی رشتے دار آئے ہیں۔ اس نے نوٹ پیڈ پہ قلم اسی طرح رکھ چھوڑا اور کوٹ اٹھا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ چپ چاپ اپنی جگہ پہ بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ اندھیرا لاؤنج میں چلتا وہ آدمی آج بتی بجھائے بغیر عجلت میں جا رہا تھا۔ دروازہ لاک کرنا بھی وہ بھول گیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ

وہ اسے روک لے... نہ معلوم وہ دوبارہ کب ملیں... لیکن نہیں... اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔ نہ فاتح سے نہ ہی کسی اور سے۔ وہ پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی اور وہ چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ اوپر آئی اور اپنا سفری بیگ پیک کرنے لگی۔ اسے کل یہاں سے روانہ ہونا تھا۔

ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ نیچے لاؤنج کے دروازے پہ دستک ہوئی۔ تالیہ دھک سے رہ گئی۔ وہ کچن کی بتی بجھانے آیا تھا کیا؟

ایک دم وہ ننگے پیر باہر بھاگی اور تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ پھر وسط میں رکی۔

لاؤنج کی بتی کسی نے جلادی تھی۔ نووارد چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اس شخص کا چہرہ دیکھ کے تالیہ مراد کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ دھیرے دھیرے زینے اترنے لگی۔

''اب مجھے کس مقدمے میں پھنسانے آئے ہیں آپ پراسیکیوٹر صاحب؟'' تلخی سے کہتی وہ نیچے آئی۔

احمد نظام افسردہ سے وہاں کھڑے تھے۔ ''مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ رہا ہوگئی ہیں۔ اس لیے میں آپ سے ملنے آیا تھا۔''

تالیہ لاؤنج کے وسط میں آرکی اور بازو سینے پہ لپیٹے تندہی سے انہیں دیکھا۔ ''جی میں رہا ہو چکی ہوں۔ اور کچھ؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ ''بے تالیہ میں شرمندہ ہوں۔ میں نے اپنی انا کے ہاتھوں آپ کی جائز بات نہیں سنی۔ آپ سچ کہہ رہی تھیں۔ یہ ایک سیاسی کیس تھا اور میں نے خود کو انہیں استعمال کرنے دیا۔ میں آپ سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔''

ان کے الفاظ کچھ اس انداز میں ادا ہوئے تھے کہ وہ چند لمحے کچھ کہہ نہ سکی۔

''میں نے وہ انگوٹھی نہیں چرائی تھی۔''

''میں جانتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم آپ کے وقت کی سفر کی داستان سچ تھی یا مذاق لیکن یہ ایک سیاسی انتقام کا کیس ہے اور مجھے اس کا حصہ بننے پہ شرمندگی ہے۔''

''اور کچھ؟''

ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر بے بسی بھرے تاسف سے اسے دیکھتے رہے۔ ''کیا میں آپ کے لیے کچھ کرسکتا ہوں؟''

''پلیز آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ آپ پہلے ہی میرے ساتھ بہت مہربانی کر چکے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔ لیکن یاد رکھیے گا۔ آپ کو صوفیہ رحمن نے اگر کوئی ڈیل کر کے چھوڑا ہے تو اس پہ بھروسہ مت کیجیے گا۔ حکمران کبھی بھی اپنے وعدے پورے نہیں کرتے۔ وہ آپ کو کبھی معافی نامہ نہیں دلا کے دیں گے۔'' یہ کہہ کے وہ مڑے تو وہ آہستہ سے بولی۔

"یہ میرا آخری آپشن ہے' احمد نظام صاحب۔ میرے پاس اس ملک میں عزت سے رہنے کے لیے اور کوئی آپشن نہیں ہے۔"

انہوں نے پلٹ کے دکھ سے اسے دیکھا۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو ڈپلومیٹک پاسپورٹ مل گیا ہے یعنی کسی کام سے پردھان منتری آپ کو باہر کے ملک بھیج رہی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کونسا ملک ہے۔ ایک نصیحت کروں؟ آپ کسی دوست کو اپنے ساتھ لے جائیں۔"

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی جب انسان کو اپنی تلاش کے سفر پہ نکلنا پڑے تو اسے تنہا ہی جانا چاہیے۔" وہ تلخی سے بولی۔ لاؤنج میں اس ایک بات نے ڈھیروں اداسیاں گھول دیں۔

"میں نے آپ کو آپ کے دوستوں سے دور کیا ہے۔ شاید آپ اس سفر کے ذریعے یہ فیصلہ کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کو زندگی میں کیا کرنا ہے۔ اچھی بات ہے لیکن مجھے میرے کیے کا مداوا کرنے دیجیے۔"

"میں نے آپ کو معاف کیا۔ آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بےزار ہوئی۔ وہ چلے کیوں نہیں جاتے تھے یہاں سے؟

"میرے جیسے آدمی کے ضمیر کا بوجھ اتنی آسانی سے نہیں ہلکا ہوتا' پے تالیہ۔ اس لیے...." وہ کھنکھارے اور احتیاط سے بولے "جہاں آپ کو جانا ہے وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ وہ آپ کی مدد کرے گا۔ میں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔"

"اوہ پلیز... مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اکتا گئی تھی۔

"آپ پہلے کبھی اس ملک گئی ہیں؟ وہاں کے راستے معلوم ہیں آپ کو؟"

وہ لمحے بھر کے لیے چپ ہو گئی۔ پھر مشتبہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں ایک ایسے انسان کی مدد کیوں لوں جس نے مجھے گرفتار کروایا تھا؟"

"جیسے آپ نے ان کے ساتھ ڈیل سائن کی ہے جنہوں نے ایک ہفتہ آپ کو قید میں رکھا تھا۔ آپ سیاسی ورکر رہی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ کرائسز میں دشمنوں سے ہاتھ ملانا پڑتا ہے۔"

وہ لب بھینچے انہیں دیکھے گئی۔ وہ چند لمحے انتظار کرتے رہے پھر اس کا سپاٹ چہرہ دیکھ کے جانے کے لیے مڑے۔

"آپ کا دوست.... کیا کرتا ہے وہ؟" سرسری سا پوچھا تو احمد نظام خوشی سے واپس آئے اور اس کے عین سامنے آ کے رکے۔

''وہ سب کر سکتا ہے۔ آپ کی طرح چیزیں چرا بھی سکتا ہے' اور لوگوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔ مختلف شناختیں رکھتا ہے۔ مختلف چہرے بدلتا ہے۔ ماشاءاللہ بروقت کور اسٹوریز گھڑنے میں بھی ماہر ہے۔ اسے ہر کام آتا ہے اور وہ اس شہر میں ہر ایک کو جانتا ہے۔''

''نہیں میرا مطلب تھا.... وہاں اس کا کام.. جاب کیا ہے؟'' وہ ذرا اکتا کے بولی۔ ایسے لگ رہا تھا احمد نظام کسی کو اس کے سر پہ مسلط کر رہے ہیں۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔''

''تو وہ رہتا کس علاقے میں ہے؟''

''اس کا مجھے علم نہیں۔ میں خود وہاں کبھی نہیں گیا۔''

تالیہ نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ صوفے پہ بیٹھے۔ وہ خود مقابل صوفے پہ بیٹھی اور اچھنبے سے پوچھنے لگی۔ ''آپ مجھے اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر وغیرہ دے دیں۔ یا ای میل' فیس بک......''

''وہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ انٹرنیٹ پہ ایک میسج بورڈ ہے۔ ضرورت ہو تو وہاں اس کو پیغام بھیج دیتا ہوں۔ آپ کا بھی وہیں بتایا تھا۔''

''تو اس نے کیا کہا؟''

''اس نے جواب نہیں دیا مگر وہ پڑھ چکا ہو گا۔''

''یہ کیسا دوست ہے آپ کا جس کا کوئی اتہ پتہ آپ کو معلوم نہیں ہے۔ میں اسے کیسے ڈھونڈوں گی؟'' وہ واقعتاً پریشان ہوئی۔ وہ اس ملک میں کبھی نہیں گئی تھی اور صوفیہ نے سوائے ڈپلومیٹک پاسپورٹ کے کوئی مددگار فراہم نہیں کیا تھا۔

''ارے آپ نے اسے نہیں ڈھونڈنا۔ اگر کوئی لڑکی کسی غیر ملک میں اس کی تلاش میں آئے تو وہ خود اسے پہلے ڈھونڈ لیتا ہے۔'' وہ مسکرا کے بولے۔ تالیہ نے عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اسے معلوم ہے میں کس فلائیٹ سے آ رہی ہوں؟''

''وہ معلوم کر لے گا۔ اس کو سب کرنا آتا ہے۔ آپ بس اس سے مدد ضرور لیجیے گا۔''

''آپ کو یقین ہے آپ کا دوست اتنا اہل ہے جتنا آپ اسے سمجھتے ہیں؟'' اسے احمد نظام کی دماغی حالت پہ شک ہوا تھا۔

''اسے سب کرنا آتا ہے' چے تالیہ۔ وہ مجھے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ آپ کی مدد ضرور کرے گا۔ بس...'' انہوں نے جیسے الفاظ ڈھونڈے۔ ''وہ آپ کی طرح خوش اخلاق نہیں ہے۔ تھوڑا رُوڈ..'' توقف سے تصحیح کی۔ ''کافی رُوڈ' اکھڑ اور مغرور واقع ہوا

ہے۔ مگر اچھا آدمی ہے۔"

"بدتمیز انسان اچھا انسان نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اگر مجھے ضرورت پڑی تو میں اس سے مدد مانگ لوں گی ورنہ میرا نہیں خیال کہ اس کی نوبت آئے گی۔ راستے معلوم کرنے کے لیے جی پی ایس ہے میرے پاس۔" وہ قدرے رکھائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ ملاقات ختم ہونے کا اشارہ تھا۔ اب اس آدمی کو وہ جائے تو نہیں پوچھ سکتی تھی۔

"اور ہاں... اس کی کوئی تصویر وغیرہ ہے تو دکھا دیں تاکہ میں اسے پہچان لوں۔ ویسے بھی آپ حکومت والوں کا کیا بھروسہ کس کو کیا بنا کے پیش کر دیں۔"

"تصویر نہیں ہے میرے پاس۔ لیکن میں آپ کو اس کا نام بتا سکتا ہوں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر بولے تھے۔

"اچھا۔ تو کیا ہے آپ کے ہر کام کر لینے والے 'بدتمیز' اکھڑ اور مغرور دوست کا نام؟"

☆☆==========☆☆

(جس ملک میں آپ کو جانا ہے وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔)

ائیر پورٹ پہ مختلف طرح کے لوگوں کا رش لگا تھا۔ اجنبی ملک' اجنبی فضائیں۔ وہ سر پہ ہیٹ پہنے' آنکھوں پہ سیاہ چشمہ چڑھائے' سیاہ اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ میں ملبوس' اپنا ٹرالی بیگ کھینچتی آگے بڑھ رہی تھی۔ نگاہیں ادھر ادھر کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

(وہ آپ کی مدد کرے گا۔ میں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔)

اجنبی چہرے ہر طرف بکھرے تھے۔ اسے نہیں معلوم تھا اسے لینے کون آئے گا۔ وہ تو اس گمنام شخص کی شکل سے بھی واقف نہ تھی۔ اسے احمد نظام سے مدد لینی ہی نہیں چاہیے تھی۔

اس نے گلاسز گریبان پہ اٹکائیں اور کوفت سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں لوگ اپنے رشتے داروں کو لینے آئے کھڑے تھے۔ کسی ویلے کارڈ' کسی سائن بورڈ پہ تالیہ مراد کا نام نہیں لکھا تھا۔

(میرا دوست سب کر سکتا ہے۔ کسی حد تک وہ آپ کی طرح کا ہے۔)

قریباً ایک گھنٹہ ائیر پورٹ پہ فارغ بیٹھنے کے بعد وہ اکتا کے اٹھی اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اسے کسی دوسرے سے امید رکھنے کی بجائے اپنی ٹیکسی خود ڈھونڈ کے ہوٹل پہنچنا چاہیے تھا جہاں کی بکنگ وہ کروا چکی تھی۔

(آپ کی طرح وہ چیزیں چرا بھی سکتا ہے' اور لوگوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔)

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پہ وہ بیٹھی اور ہیٹ اتار کے ساتھ والی نشست پہ رکھا۔ پھر مطلوبہ ہوٹل کا نام بتا کے خود کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ رات باہر پھیلی تھی اور شہر کی ساری بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ وہاں بہتے ٹریفک کو دیکھتی رہی۔ اسے صوفیہ کا کام کیسے کرنا تھا؟ اس کے پاس کوئی پلان نہیں تھا۔

(وہ مختلف شناختیں رکھتا ہے۔ مختلف چہرے بدلتا ہے۔ ماشاءاللہ بروقت کور اسٹوریز گھڑنے میں بھی ماہر ہے۔)

ہوٹل کے سامنے ٹیکسی رکی تو تالیہ نے اپنا ہیٹ اٹھایا۔ اور پھر.... وہ ٹھٹک کے رکی۔

اس کی ہیٹ کی نیچے ایک سفید نوٹ رکھا تھا۔ کیا یہ پہلے بھی وہاں تھا؟ اس نے شاید غور سے دیکھا نہیں تھا۔ نوٹ اٹھا کے تعجب سے اس نے اس پہ لکھے الفاظ پڑھے۔ تین الفاظ میں اسے اس شہر میں ویلکم کہا گیا تھا اور ساتھ میں ایک لمبا سا نمبر درج تھا۔

''سنو... یہ نوٹ تم نے رکھا ہے؟'' اس نے چونک کے بوڑھے ڈرائیور سے پوچھا جو حیرت سے پلٹا۔ ''کون سا نوٹ؟''

(اسے ہر کام آتا ہے اور وہ اس شہر میں ہر ایک کو جانتا ہے۔)

ٹیکسی سے نکل کے تالیہ نے چوکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی تھا جو اس کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اسے کیسے اندازہ ہوا کہ وہ اسی ٹیکسی میں بیٹھے گی؟

(مجھے نہیں معلوم وہ کہاں رہتا ہے یا وہ کیا کرتا ہے۔ مگر وہ سب کرنا جانتا ہے۔)

وہ ہوٹل کی لابی میں آگے بڑھتے ہوئے بار بار اس نمبر کو پڑھ رہی تھی۔ اپنے روم میں آتے ہی اس نے اس ملک کی سم والا فون نکالا اور وہ نمبر ڈائل کیا۔ رانگ نمبر۔ فون سروس نے مطلع کیا کہ یہ نمبر وجود ہی نہیں رکھتا۔ اس نے نمبر کو الٹا ڈائل کیا۔ پھر بھی رانگ نمبر۔ شاید یہ کوئی فون نمبر نہیں تھا۔ وہ بیڈ پہ بیٹھی غور سے اس چٹ کو دیکھنے لگی۔

(آپ نے اسے نہیں ڈھونڈنا۔ وہ آپ کو خود ڈھونڈ لے گا۔)

اگلی صبح تالیہ اپنے ہوٹل کے باہر پیدل چلتی جا رہی تھی۔ بالوں کو پونی میں باندھے اس نے ٹراؤزر پہ پھولدار فراک پہن رکھا تھا اور اسکول گرلز کی طرح دونوں کندھوں پہ بیگ پہن رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی اور دوسرے میں موبائل۔ وہ اسکرین کو دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ نمبر دراصل جی پی ایس لوکیشن تھی۔ اور وہ اس کے بک کروائے ہوٹل کے قریب ہی تھی۔

(اگر کوئی لڑکی کسی غیر ملک میں اس کی تلاش میں آئے تو وہ خود اسے پہلے ڈھونڈ لیتا ہے۔)

جوگرز سے تیز تیز چلتی وہ سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ بالآخر اس کی مطلوبہ لوکیشن آ گئی تو اس نے گردن اٹھائی۔ سامنے

ایک فون بوتھ تھا۔ دھوپ سے تالیہ کا چہرہ تمتما رہا تھا اور پیشانی پہ بل تھے۔ وہ اس بوتھ تک آئی ہی تھی کہ اندر رکھا فون بجنے لگا۔ اس نے ریسیور کان سے لگایا اور قدرے غصے سے بولی۔ ''ہیلو؟''

''تالیہ مراد؟'' جواب میں ایک بھاری مردانہ آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

''جی مسٹر۔ میں تالیہ مراد ہوں۔ آپ کو میری مدد کرنی تھی مگر آپ تو سامنے آ ہی نہیں رہے۔''

(وہ آپ کی طرح خوش اخلاق نہیں ہے۔ تھوڑا رُوڈ... کافی رُوڈ اکھڑ اور مغرور واقع ہوا ہے۔ مگر آدمی اچھا ہے۔)

''میں دیکھ رہا تھا کہ کوئی تمہیں فالو تو نہیں کر رہا۔ تمہاری وجہ سے میں خود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔'' خشک لہجہ۔ روکھا انداز۔ ایک تو پہلے یہاں گرمی تھی۔ سر پہ آگ برساتا سورج تھا اور اوپر سے یہ آدمی۔ اسے احمد نظام کی مدد لینی ہی نہیں چاہیے تھی۔

(آپ کے پاس اس کی کوئی تصویر ہے تو دکھا دیں۔ تاکہ میں اس کو پہچان لوں۔ اس نے پراسیکیوٹر سے جاتے سمے پوچھا تھا۔)

''آپ اس وقت کہاں ہیں؟'' وہ ضبط سے بولی۔

''آگے پیچھے دیکھنے کی عادت ڈالو'' اور کال کٹ گئی۔ اس نے گھور کے ریسیور کو دیکھا اور پھر رکھا ہی تھا کہ وہاں لگی ایک چٹ نظروں سے ٹکرائی۔ اس پہ ایک لمبا سا نمبر لکھا تھا۔ ایک اور لوکیشن۔ اف۔

(تصویر تو نہیں ہے میرے پاس لیکن میں آپ کو اس کا نام بتا سکتا ہوں۔)

کندھوں پہ بیگ پہنے' پانی کی بوتل اٹھائے وہ اب اندرون شہر کی گلیوں میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پسینہ بار بار پیشانی پہ پھوٹتا جسے وہ ٹشو سے صاف کر لیتی۔ وہاں بہت سی دکانیں تھیں اور زیادہ تر گاڑیوں کی ورکشاپس تھیں۔ اس کی لوکیشن نے اسے جس دوکان کے سامنے لا کھڑا کیا' وہ بھی ایک ورکشاپ تھی۔

(اچھا۔ تو کیا ہے آپ کے ہر کام کر لینے والے' بدتمیز' اکھڑ اور مغرور دوست کا نام؟)

اندر کھڑی جیپ کے نیچے ادھڑے کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ جیپ کا بونٹ کھلا تھا اور اس کے پیچھے کھڑا آدمی یہاں سے نظر نہیں آتا تھا۔ جیپ کے دونوں اطراف اتنا تنگ راستہ اور سامان رکھا تھا کہ وہ بمشکل ڈرائیونگ ڈور تک پہنچی اور رک گئی۔ پھر گردن اونچی کر کے بونٹ کے پیچھے کام کرتے آدمی کو دیکھنا چاہا۔

اس نے جینز پہ گرے شرٹ پہن رکھی تھی' آستینیں موڑ کے کہنیوں تک چڑھائے ہوئے تھے' اور پی کیپ والا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ مسلسل ہتھوڑے نما چیز کو جھک کے کسی شے پہ مار رہا تھا۔ ٹھک ٹھک کی آتی آواز ناقابل برداشت تھی۔

(اس کا نام جہان سکندر ہے۔ اور وہ کچھ عرصے سے مصر میں رہائش پذیر ہے۔ آپ قاہرہ جا رہی ہیں اور قاہرہ کو وہ بہت اچھے سے جانتا ہے۔ آپ کو قاہرہ میں اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گا۔)

اس نے گردن اٹھا کے آواز دی۔ "ہیلو؟"

ٹھک ٹھک کی آواز رک گئی۔ البتہ بونٹ کے پیچھے کھڑا شخص جھک کے تاریں جوڑتا رہا۔

"میں تالیہ ہوں۔" اس نے با آواز بلند پکارا۔ آگے پیچھے کی دکانوں کا شور، دور سڑک سے گزرتا بے ہنگم ٹریفک... غرض آواز سننا بے حد دشوار تھا۔

"آپ کو احمد نظام نے بتایا تھا میرے بارے میں؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔ اگر اب اس شخص نے جواب نہیں دیا تو وہ پلٹ جائے گی۔

"ہاں۔ تم وہ ہو جس نے بے وقوفوں کی طرح اپنی وزیر اعظم پہ بھروسہ کر کے ڈیل سائن کی ہے جو کبھی پوری نہیں ہو گی۔ میری مانو اور یہاں سے کسی اور ملک بھاگ جاؤ۔" وہ آدمی اب بھی جھکا تاریں جوڑنے میں لگا تھا۔ اس کا انداز سرد اور سپاٹ تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یہ میرا اور میری وزیر اعظم کا مسئلہ ہے۔ میں اسے خود ہینڈل کر لوں گی۔ آپ میری مدد کریں گے یا نہیں؟ احمد نظام نے کہا تھا کہ آپ کو سب کرنا آتا ہے۔"

"پتہ نہیں اس نے تمہیں کیا کہانیاں سنائی ہیں۔ میں قاہرہ کا ایک غریب مکینک ہوں اور کچھ نہیں۔"

وہ چند لمحے لب بھینچے اس کھلے بونٹ کو دیکھتی رہی۔ پھر پیر پٹخ کے مڑ گئی۔

"لیکن میں یہ سننا چاہوں گا کہ وزیر اعظم نے تمہیں کس کام سے یہاں بھیجا ہے؟"

وہ جو واپس جانے لگی تھی، اس بات پہ ٹھہری اور پلٹی۔ وہ آدمی اب بھی بونٹ کے پیچھے جھکا ہوا تھا اور دکھائی نہ دیتا تھا۔

"آپ نے میری مدد کرنی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرنی تھی تو میری ٹیکسی میں وہ "ویلکم ٹو قاہرہ" کا نوٹ رکھوانے کی یا مجھے فالو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کام کیا ہے؟" دوسری طرف کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ یا شاید اس آدمی نے پہلے سے ہی اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن کڑا کے بولی۔

"مجھے صوفیہ رحمن کے لیے ایک چیز چوری کرنی ہے۔"

"کیا؟" وہ اب پانی انجن کے اندر انڈیل رہا تھا۔ سڑ سڑ کی آواز آنے لگی۔

''ایک کتاب۔''

''انٹرسٹنگ۔ مگر کہاں ہے یہ کتاب؟ قیمتی ہوگی یقیناً۔ کسی میوزیم' لائبریری یا کسی کی پرائیوٹ کلیکشن میں ہے؟'' انجن سے دھواں نکلنے لگا تو وہ پیچھے ہوا۔ دھویں کے باعث تالیہ اور اس کے درمیان دھندلی سی دیوار آگئی تھی۔

''وہ کتاب کہیں بھی نہیں ہے۔ وہ تو ابھی تک چھپی ہی نہیں ہے۔''

وہ چونکا اور سر اٹھایا۔ ''تو پھر وہ ہم نے کہاں سے چرانی ہے؟''

اس کے ''ہم'' کہنے پہ تالیہ مسکرائی۔ اتنے دن میں پہلی دفعہ وہ مسکرائی تھی۔

''ہم نے اسے اس کی رائیٹر کے ذہن سے چرانا ہے۔''

''واٹ؟'' جہان نے زوردار آواز کے ساتھ بونٹ بند کیا۔

دھوئیں کی دیوار درمیان سے چھٹنے لگی۔

اور تب تالیہ نے پہلی دفعہ اس کا چہرہ دیکھا۔

(حالم کی اگلی قسط ''حالم'' اور ''جنت کے پتے'' کا cross-over ہوگی۔ اس کراس اوور قسط کا نام ''چور اور جاسوس'' ہے اور آپ اسے اکتوبر کے آخری ہفتے میں پڑھ سکیں گے۔ان شاء اللہ)

حالم (نمرہ احمد)

آٹھارہواں باب:

''چور اور جاسوس''

اس نے خواب میں دیکھا....

چمکتا فرش ہے....

اور دو سپید پیر سیاہ جوتوں میں مقید ہیں....

جوتے گیلے ہیں....

اور چند قطرے پانی فرش پہ بکھرا ہے....

دیکھتے ہی دیکھتے...وہ جوتوں میں مقید پیر پیچھے کو اٹھنے لگتے ہیں....

گیلے جوتوں کے ربڑ سے چیں چیں کی آواز آنے لگتی ہے....

وہ آواز...وہ نحوست بھری آواز....

☆☆=========☆☆

کے ایل کے اس چھوٹے سے گھر کا لان آج سونا سونا سا لگتا تھا۔ گھاس اور پھولوں کے باوجود خالی پن اور ویرانی ہر شے سے ٹپکتی تھی۔ نہ کوئی مرغی تھی جو کسی آہٹ پہ کٹ کٹاتی ہو' نہ کوئی چوزہ تھا جو ادھر ادھر پھدکتا ہو۔

ایڈم کی امی برآمدے کے زینوں پہ بیٹھی گود میں ننھا گملا رکھے کھرپے سے اس کی مٹی کو دھیرے دھیرے ہلا رہی تھی۔ پودا سوکھا ہوا لگتا تھا' اس لئے مٹی سخت تھی۔ وہ گاہے بگاہے پانی کا گھونٹ گملے پہ انڈیلتی اور پھر گیلی مٹی کو کھودنے لگتی۔ اس کے اسکارف میں لپٹے چہرے پہ اداسی تھی۔ وہ جتنی خاموش تھی' عقب میں برآمدے میں بیٹھے داتن اور ایڈم اتنا ہی بول رہے تھے مگر عجیب بات تھی کہ ان دونوں کی گفتگو ہو یا گملے میں پانی کی گرتی دھار کی آواز' کوئی شے اس گھر کے سنسان پن کو ختم نہیں کر پا رہی تھی۔

"میرا دل نہیں مانتا ایڈم۔"

برآمدے کی کرسیاں آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں تھیں۔ داتن کی کرسی پہ سایہ تھا اور وہ فکرمندی سے سرنفی میں ہلاتی کہہ رہی تھی۔ "میں وان فاتح کو شاید پسند نہ کرتی ہوں، اور تالیہ کے لئے تو بالکل بھی نہیں (آواز دھیمی ہوئی اور اس نے کاغذ رکھ دیئے، اور سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔) مگر وہ یوں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ کسی آف شور کمپنی کا مالک نہیں ہو سکتا۔"

ایڈم کی کرسی دھوپ میں تھی۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے بیٹھا تھا۔ آج مسٹر سلیپر ہیٹ والے حلیے کے برعکس، وہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس، مغموم نظر آتا تھا۔

"ہر طرح سے چیک کر چکا ہوں، داتن۔ کاغذ اوریجنل ہیں اور یہ دستخط وان فاتح کے ہی ہیں۔"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟" داتن نے غور سے اس نوجوان کی اداس آنکھوں میں دیکھا۔

ایڈم نے گہری سانس لی، ماتھے سے ہاتھ ہٹایا اور دور لان کی ویران گھاس کو دیکھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ کمپنی وان فاتح کی ہی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میری طرف سے چاہے وہ ایک کمپنی رکھیں یا ایک ہزار۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان کی کمپنی اس فرم میں ہے جس کے راز افشاء کرنے کا وعدہ میں نے نیشنل میڈیا پہ کیا تھا۔"

"تم اپنے لئے پریشان ہو؟"

"کیا میں صرف اپنی پرواہ کرنے والا لگتا ہوں آپ کو؟" وہ الٹا اس پہ خفا ہوا۔ "اگر میں نے یہ فائل (اٹھا کے چند کاغذ دکھائے) پبلک کر دی تو وان فاتح کی ساکھ تباہ ہو جائے گی اور بے تالیہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گی۔ اور اگر (کاغذ واپس رکھے) میں اس فائل کو چھپا کے باقی تمام لوگوں کے راز افشاء کرتا گیا تو میں خود کو معاف نہیں کروں گا۔"

"کون سا غم زیادہ بڑا ہو گا؟"

وہ چپ ہو گیا۔ لان کے سارے پھول اور پتے خاموشی سے اس کے جواب کے منتظر تھے۔ ایبو ابھی تک زینوں پہ بیٹھی گملے کی مٹی نرم کر رہی تھی۔

"پتہ ہے، داتن.... مجھے ہمارے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے کہ انسان کو غم اور خوشی میں بات حق کی کہنی چاہیے۔ چاہے معاملہ کسی عزیز کا ہو یا دشمن کا۔ انسان کو حق کے لئے یکساں اسٹینڈرڈ سب پہ اپلائی کرنا چاہیے۔ میں ہمیشہ سے وہ پرفیکٹ سچا مسلمان بننا چاہتا تھا۔ دشمنوں کی آف شور جائیداد کے کاغذ لیک کر دیئے تو ایڈم بن محمد کو لگا وہ ہی سچا مسلمان بن گیا ہے مگر دوست کی باری آئی تو اس نے جانا کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔"

"آسان ہوتا تو سب کر لیتے۔" داتن تلخی سے مسکرائی۔ ایڈم کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

''مجھے چے تا لیہ کا غم نہیں ہے۔ اپنا بھی نہیں ہے۔ غم صرف اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری زندگیاں اتنی مشکل کیوں بنائی ہیں۔ میرے ہاتھ میں زمین میں چھپے خزانوں کے راز دے کر مجھے بچپن سے نصیحت کروائی گئی تھی کہ جب تمہیں ان خزانوں کا علم ہوگا تو تمہیں سچ بولنا ہوگا۔ قدیم ملاکہ میں یہ آسان تھا۔ جدید کے ایل میں بھی یہ آسان تھا۔ چاہے سائمن کے بندے مجھے ماریں یا امراء اور روساء رشوتوں کی پیشکش کریں' میں سمجھتا تھا میں ہر ترغیب اور ہر دھمکی کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ مگر اپنے ہی ہاتھوں مجھے اپنے ایک دوست کی ساکھ کو برباد کرنا پڑے گا' میں نہیں جانتا تھا۔''

''تو تم فیصلہ کر چکے ہو؟ تم یہ فائل پبلک کر دو گے؟''

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھ کے شانے اچکائے۔ ''کیا ایڈم بن محمد کے پاس دوسرا کوئی آپشن ہے؟''

''اور اگر یہ فائل جھوٹی ہوئی اور تم ناحق کسی کی عزت سے کھیل گئے تو نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا؟''

''داتن.... داتن.... جن سینکڑوں لوگوں کی فائلز میں نے میڈیا پہ پیش کی ہیں' ان میں سے ایک بھی میرے خلاف کورٹ نہیں گیا۔ خود کلائیڈ اینڈ لی کمپنی بھی نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے' یہ سچ ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا تو داتن سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اور تم نے کہا کہ وہ تمہارا دوست ہے؟''

پہلی دفعہ ایڈم کے لبوں کو ایک زخمی مسکراہٹ نے چھوا۔

''سیاستدانوں کی یادداشت اچھی نہیں ہوتی۔ وہ بھول جاتے ہیں۔ مگر میں نہیں بھولا۔ قدیم ملاکہ میں ہم دوست ہی تھے۔''

''اسی لیے دوستوں اور دوسرے لوگوں میں انسان کو فرق کرنا آنا چاہیے' ایڈم۔''

''آپ کہہ رہی ہیں کہ میں اس فائل کو چھپا لوں؟'' ایڈم نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔

''میں کہہ رہی ہوں کہ دوست' دوست ہوتا ہے اور اس کو صفائی کا ایک موقع دینا چاہیے۔ تو کیوں نا تم ایک دفعہ اس معاملے کی دوبارہ سے تحقیق کرو۔''

''میں ساری تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ فائل سچی ہے۔''

''جھوٹا تو تمہارا دوست بھی نہیں ہے' ایڈم۔ ایک دفعہ پرانے وقتوں کی طرح اس سے مل بیٹھ کے بات کرنے میں کیا قباحت ہے؟'' داتن اب کے برہمی سے بولی۔ ''دوست کا اتنا حق ہوتا ہے کہ اس سے ایک دفعہ پوچھ لو۔ ہو سکتا ہے عصرہ نے یہ کمپنی وان فاتح کے نام پہ بنائی ہو۔ کمپنی بنانے کے لیے پاسپورٹ وغیرہ کی کاپی ہی چاہیے نا اور ایک دستخط؟ کیا عصرہ کسی بھی

بہانے سے فاتح سے یہ دونوں چیزیں نہیں لے سکتی؟"

ایڈم نے چپ ہو کے سر جھکا دیا۔ پھر اسی طرح تھوڑی سینے پہ گرائے وہ آہستہ سے بولا۔

"وہ اب بی این کے صدر ہیں اور اب تو چے تالیہ بھی نہیں ہیں جو مجھے اپائنٹمنٹ دلوا دیں۔ وہ ایک پرانے باڈی مین کی کتاب کی تقریب میں تو آسکتے ہیں لیکن اس کو اپنے برابر بٹھا کے تفتیش کا حق نہیں دے سکتے۔ انہیں تو بھول چکا ہے کہ کبھی میں ان کا دوست تھا۔"

"تمہیں تو یاد ہے نا؟ اور جو انسان کو معلوم ہوتا ہے وہی اس کی مدد کر سکتا ہے۔"

ایڈم نے سر اٹھایا اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ داتن کا چہرہ دیکھا۔ داتن کی آنکھوں میں امید تھی۔

"چے تالیہ کا کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں ایڈم۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہوگی۔ جب وہ واپس آنا چاہے گی آ جائے گی۔"

"انہیں ہمیں ایک فون تو کرنا چاہیے تھا۔"

"میں نے اسے ای میل کی ہے۔ روز کرتی ہوں۔ تم بھی کر لیا کرو۔ تالیہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ جب اسے بات کرنی ہوگی وہ کر لے گی۔ مگر ہم دونوں کو معلوم ہے کہ وہ جہاں بھی ہے آزاد ہے ورنہ وہ وان فاتح کے گھر وہ کیک پیسٹریز نہ بھجوا رہی ہوتی۔"

داتن کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔ ایڈم کے چہرے کا زخمی پن مزید بڑھ گیا۔

"ان کو گورنمنٹ والے گرفتار کر کے لے گئے اتنے کرائسز میں وہ ہم دونوں کو بھول گئیں مگر فاتح صاحب کو نہیں بھولیں۔ وہ ان کے لیے زیادہ اہم ہیں۔" وہ دکھی دل سے بولا تھا۔ پھر چونکا۔ "کیا پتہ ان پیسٹریز کی پے منٹ انہوں نے پہلے سے کر دی ہو۔"

"نہیں ایڈم۔ وہ ہر روز تازہ پے منٹ کرتی ہے اپنے کریڈٹ کارڈ سے۔ میں نے پتہ کروایا تھا۔ برا مجھے بھی لگا مگر تالیہ اور فاتح مشکل حالات کے باوجود ایک دوسرے کو چاکلیٹس اور کوکو پھل کے تحفے دینا نہیں بھولتے۔" وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

ان سے ہٹ کے بیٹھی ایبواب گملا اس کی جگہ پہ رکھ رہی تھی۔ اس کی مٹی نرم ہو چکی تھی اور اس میں کھلا پودا نہا دھو کے تر و تازہ لگنے لگا تھا۔ اس کے پتے پہلے چوزے کھا جاتے تھے مگر ان کے مرنے کے بعد یہ پودا محفوظ ہو گیا تھا۔ اور اس کی شاخوں پہ ننھے ننھے پتے پھر سے پھوٹنے لگے تھے۔

کسی ایک کی موت کسی دوسرے کی حیات تھی۔ ایک کا زوال دوسرے کا عروج تھا۔

☆☆=========☆☆

رات کی سیاہی دان فاتح کی رہائشگاہ پہ پھیلی تھی۔ باہر اور اندر خاموشی تھی۔ بچے سونے جا چکے تھے۔ فاتح گھر نہیں آیا تھا۔ ایسے میں اسٹڈی کے اندر عجب اداسی چھائی تھی۔

دروازہ بند تھا اور کرسی کی دروازے کی طرف پشت تھی۔ اس پہ بیٹھی عصرہ کھڑکی کی طرف چہرہ کیے‘ مگ سے گھونٹ بھر رہی تھی۔

موسم قدرے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ کے ایل میں سرما کی آمد آمد تھی اور یہ ایسا گرم اور پرحبس خطہ ارض تھا کہ سرما کا مطلب ذرا سی ٹھنڈ کے سوا کچھ نہ تھا۔

عصرہ بال ڈھیلے جوڑے میں باندھے‘ کندھوں کے گرد شال لپیٹے‘ کھڑکی سے نظر آتے نیم اندھیر لان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی سیمینار سے آئی تھی اور میک اپ ابھی نہیں اتارا تھا۔ مسکارا ذرا پھیلا ہوا تھا‘ اور کانوں میں موتی جگمگا رہے تھے۔ آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

”آپ نے مجھے کیوں مارا‘ ممی؟“

کھڑکی کے شیشے کے پار بالکونی میں اسے وہ کھڑی نظر آئی تھی۔

سفید فراک اور ہیر بینڈ والی بچی جس کے کپڑوں پہ خون لگا تھا۔ وہ بند شیشے پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑی‘ عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

”تم پھر آ گئیں...!“ عصرہ نے اسی سکون سے گھونٹ بھرا اور مگ پیچھے میز پر رکھا۔ نظریں آریانہ پہ جمی تھیں۔

”تم تب آئی تھیں ہماری زندگی میں آریانہ جب میں فاتح کو جیتنے کی کوشش کر رہی تھی۔“ وہ سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ بولنے لگی ایسے کہ آواز لبوں سے باہر نہ گئی مگر وہ جانتی تھی کہ آریانہ سن رہی ہے۔

”میں نے اتنے ماہ اس کے ارد گرد دیوانے کی طرح منڈلاتے گزارے‘ اور پھر ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ اس کی زندگی میں تم بھی ہو۔ اس کے باپ کے جرم کی نشانی.... اس کی چھوٹی بہن جسے وہ زمانے سے بچانا چاہتا تھا۔ تب مجھے لگا کہ تم میری سیڑھی ہو۔ میرا سب سے قیمتی ہتھیار۔ فاتح کے دل تک پہنچنے کا راستہ۔“

”تو کیا ان کے دل تک پہنچ گئیں آپ؟“ بچی اپنا ماتھا شیشے سے ٹکائے اندر جھانک رہی تھی۔

عصرہ نے سیٹ پہ ٹیک لگا لی۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا۔ نہ پریشانی نہ خوف۔ وہ شیشے کے پار آریانہ پہ نظریں مرکوز کیے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔

"کوئی کہتا ہے مرد کے دل کا راستہ معدے سے گزرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے مرد کو قربانی اور وفا سے جیتا جاتا ہے۔ کسی کو لگتا ہے مرد کو جتنا نظر انداز کرو اتنا وہ قریب کھینچتا ہے۔ مگر میں تمہیں بتاؤں آریانہ.... چاہے مرد ہو یا عورت.... سب کے دل کا راستہ دل سے ہی گزرتا ہے اور اس راستے پہ چلنے کی توفیق نصیب سے ہی ملتی ہے۔ کوشش سے نہ کسی کو خود سے محبت کروائی جا سکتی ہے نہ کسی کے پیچھے خود کو رول دینے سے اپنے نصیب سے بڑھ کے اس کا پیار مل سکتا ہے۔ تم سے پہلے فاتح کو صرف ایک انسان سے محبت تھی۔ وہ تھا خود وان فاتح۔ تم آئیں تو اس محبت میں شریک ہو گئیں۔ تم چلی گئیں تو وہ پھر سے وہی narcissist بن گیا جو وہ ہمیشہ سے تھا۔ عصرہ محمود تو کہیں بھی نہیں تھی۔"

"آپ کے والد آپ کو منع کرتے تھے نا۔"

عصرہ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔

"میرے والد عقلمند انسان تھے اور تب مجھے غلط لگتے تھے۔" اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور اوپر چھت سے لٹکتے ریڈنگ لیمپ کو دیکھنے لگی۔

"مگر ان کا تجربہ درست تھا۔ میری ریاضتیں بے سود تھیں۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اسٹڈی کی کرسی پہ بیٹھی خود سے باتیں کر رہی تھی۔

"میں نے اس ایک آدمی کے پیچھے سب چھوڑ دیا۔ اپنے باپ کی ناراضی مول لی۔ اس کی بہن کو اپنی بیٹی بنایا۔" وہ اپنے سود و زیاں گن رہی تھی۔ اسے سب انگلیوں پہ یاد تھا۔ "میں نے اپنا کیریئر چھوڑا۔ ایک وکیل سے ایک ہاؤس وائف بنی۔ اس کے لئے امریکہ بھی چھوڑ دیا۔ سیاسی بیوی بھی بنی اور سیاسی ایکٹوسٹ بھی۔ اس کے بچے بھی پالے۔ ملائیشیا آ کے خود کو ایک آرٹ کلیکٹر کے طور پہ بھی منوایا۔ میں نے وان فاتح کی بیوی کا کردار کتنی محنت سے نبھایا اور اس نے پل بھر میں تالیہ مراد کو میرے برابر لا کھڑا کیا؟ غلطی کہاں ہوئی آریانہ؟"

کھڑکی میں کھڑی بچی نے انگلی سے دستک دی۔ ٹھک ٹھک۔ عصرہ نے آنکھیں کھولیں اور بالکونی کے شیشے کو دیکھا۔ خون آلود سفید فراک والی بچی وہیں تھی۔ اس کی سانسوں کی بھاپ نے شیشے کو دھندلا دیا تھا۔ دھند کے پار نظر آتے آریانہ کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اور تمسخر بھی۔

"اتنی ریاضتوں کے بعد بھی ڈیڈ کی محبت نہیں ملی آپ کو۔"

"کہا نا۔ محبت نصیب سے ملتی ہے۔ کوشش سے نہیں۔"

"غلط ماما۔" آریانہ نے انگلی کے پورے سے دھند لے شیشے پہ لکیر کھینچی۔ اوپر سے نیچے سیدھی لکیر۔

”محبت نصیب سے ملے یا کوشش سے، مگر کسی ایک شخص کو پانے کے لئے دوسرے کو نقصان دینے سے تو یہ کبھی نہیں ملتی۔ آپ کو شاید ڈیڈ کی محبت مل جاتی اگر آپ میرے ساتھ وہ سب نہ کرتیں۔“

آریانہ نے انگلی سے ایک افقی لکیر کھینچی تو دھند میں صلیب بن گیا۔صلیب کی درز سے عصرہ کو اس کی ناک اور آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں جن میں نفرت اور چبھن تھی۔

”تم مجھے پہلے دن سے بری لگتی تھیں۔“ وہ دھند میں کھنچی صلیب کو دیکھ کے بے خود سی کہنے لگی۔

”وہ تمہارے علاوہ کسی کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا۔میں اس کے سامنے تم سے پیار کرتی تھی۔اس کے پیچھے تمہیں اگنور کرتی تھی مگر یہ کردار نبھاتے نبھاتے میں تھکنے لگی تھی۔ چھے سال بہت ہوتے ہیں۔میں نے تمہیں بورڈنگ بھجوانے کی بہت کوشش کی مگر وہ راضی ہی نہیں ہوتا تھا۔اس نے سکندر اور جولیانہ سے کبھی وہ محبت نہیں کی جو تم سے کی تھی۔اشعر بھی تم سے پیار کرتا تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے بابا کو بھی تم بری نہیں لگتی تھیں۔تم نے ہر ایک کا دل جیت لیا اور میں اپنی نفرتوں میں اکیلی رہ گئی۔میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں تمہیں وہاں سے ہٹا دوں۔“

”اور پھر آپ نے سوچا کہ مجھے ہٹانے کے لیے مجھے اغوا کرا دیا جائے اور اسی لیے آپ نے وہ نینی ہائر کی۔“

”ہاں۔میں نے ایسا کیا۔“ عصرہ نے شانے اچکائے۔”بابا کا پرانا وفادار آدمی میرے کام آیا۔اس نے ہر چیز یوں پلان کی تھی کہ آریانہ کے اغوا کا الزام صوفیہ رحمٰن کے باپ عبدالرحمٰن پہ آئے گا۔میں نے اسے کہا تھا کہ وہ تمہیں اس شہر سے دور لے جائے۔اتنی دور جہاں سے تم واپس نہ آسکو۔کسی کو بیچ دے۔کسی دور پار کے یتیم خانے میں بھیج دے۔بس تم چلی جاؤ تاکہ فاتح کچھ اور دیکھ سکے۔واللہ میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی تھی....“

”شہر سے دور بھیج دو؟ کہیں چھوڑ آؤ؟ میں انسان کا بچہ تھی یا بلی کا' ماما؟“ باہر کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں سرخ نمی اتر رہی تھی۔

”واللہ میں تمہیں نہیں مارنا چاہتی تھی' آریانہ۔میں صرف تمہیں اس کی نظروں سے دور کرنا چاہتی تھی۔“

”مگر جب آپ کے آدمی نے پوچھا کہ اگر آریانہ کو خبر ہوگئی کہ اصل اغوا کار کون ہے تو آپ نے اسے کیا کرنے کا کہا تھا؟“

دھندلی صلیب کے پار کھڑی لڑکی اسے یاد دلا رہی تھی۔عصرہ چپ رہ گئی۔آریانہ نے ہاتھ اوپر سے نیچے لا کے شیشے کی دھند صاف کی۔

”آپ نے کہا تھا....اگر بات یہاں تک آجائے تو اس کو مار دینا۔سوائے فاتح کے اس کے لئے کوئی رونے والا نہیں ہو

گا۔"

"مگر سب سے زیادہ میں روئی تھی۔" عصرہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگے۔ "اتنا روئی تھی کہ بیمار پڑ گئی۔"

"اپنے گلٹ اور پکڑے جانے کے خوف سے روئی تھیں آپ۔ اور پھر آپ کو اتنے سال اسی خوف کے ہاتھوں میرا غم اپنے اوپر طاری کیے رکھنا پڑا۔ آریانہ جا کے بھی آپ کی زندگی سے نہیں گئی۔"

"ہاں۔ تم مر گئیں مگر میری خوشیوں کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہاں تک کہ آریانہ کا غم اصل آریانہ سے بڑا ہوتا گیا۔ فاتح کا دل مردہ ہو گیا اور میرے جذبات نے خود کو خود ہی مار ڈالا۔ ہم اجنبی ہوتے گئے۔ پتھر کے دلوں والے دو روبوٹ جو اس گھر میں رہتے تھے مگر تم نے تب بھی بس نہیں کی۔" عصرہ نے پلکیں اٹھا کے اب کے نفرت سے شیشے کے پار کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

"تم نے مر کے بھی میری زندگی میں زہر گھولنا نہیں چھوڑا۔ جانتی ہو تم نے کیا کیا؟"

وہ اب غصے سے غرا رہی تھی۔

"تم آریانہ.... تم تھیں جو اسے وہ اسٹیج ڈرامہ دکھانے گئی تھیں۔ تم تھیں جو تالیہ مراد.... تاشہ.... کو اس کی توجہ میں لائی تھیں۔ میرے ساتھ سارے ظلم تم نے ہی کیے ہیں۔ میرے سب حساب تمہاری طرف ہی نکلتے ہیں۔"

پھر انگوٹھیوں والے ہاتھ کرسی کے ہتھ پہ رکھ کے اٹھی اور پورے قد سے شیشے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ آریانہ نے شیشے سے ہاتھ ہٹا دیے اور چند قدم پیچھے ہٹی۔ دونوں کے درمیان اب کانچ کی دیوار حائل تھی۔ عصرہ نے تلخی سے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"جو میں نے تمہارے ساتھ کیا' مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ دس دفعہ موقع ملا تو دس دفعہ یہی کروں گی۔" شیشے کے قریب چہرہ کر کے وہ پھنکاری۔

"مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔" عصرہ اس پہ نظریں جمائے چبا چبا کے بولی۔ آنکھ کے گیلے گوشے ہتھیلی کی پشت سے رگڑے تو مسکارا ذرا سا پھیلا۔

"اب عصرہ محمود دان دونوں کو اس طرح سے الگ کرے گی کہ وہ کبھی ایک ہو ہی نہیں سکیں گے۔" پھر اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔

"وہ ابھی بھی وہیں ہو گا۔ مگر خیر.... اس کو لگا نے دو تالیہ کے گھر کے چکر۔ جلد ہی عادت ٹوٹنے والی ہے۔" گھڑی سے سر ہٹایا اور اوپر دیکھا تو شیشے کے پار بالکونی خالی پڑی تھی۔

آریانہ جا چکی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ آریانہ ان کی زندگیوں میں سے ایسے کبھی نہیں جائے گی۔

اب کی دفعہ کسی اور کو جانا ہوگا۔

☆☆=========☆☆

حالم کا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ چاند اور تاروں کو بادلوں نے ڈھک رکھا تھا جس سے بنگلے پہ سایہ پھیل گیا تھا۔ ویرانی اور اداسی کا اپنا سایہ جو اس کے گھر کے مالک کی واپسی تک نہیں چھٹنا تھا۔

باہر اسٹریٹ کے کونے میں ایک گاڑی میں بیٹھا آدمی بنگلے کو دیکھتے ہوئے فون کان پہ لگائے کہہ رہا تھا۔

''مسز عصرہ.... ان کی کار وہیں باہر کھڑی ہے اور وہ کچھ دیر ہوئی اندر گئے ہیں۔ جی.... جے تالیہ کی کار بھی اندر کھڑی ہے مگر میرا نہیں خیال کہ وہ گھر میں موجود ہیں۔ کیونکہ لیٹر باکس ڈاک اور بلز سے بھرا ہوا ہے اور ہر روز اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اوکے ٹھیک ہے میں واپس آجاتا ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور فون نیچے کرلیا۔ پھر کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

بنگلے کے اندر.... نیم تاریک لاؤنج میں وہ کھڑا تھا۔ کوٹ تہہ کرکے بازو پہ ڈالے وہ گردن اٹھائے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچن کی بتی جلی تھی۔ باقی تمام بتیاں گل تھیں۔ وان فاتح سارے دن کا تھکا ہارا تھا' مگر اس گھر میں کھڑے ہوئے تھکاوٹ کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔ وہ جیسے کسی مقناطیسی کشش کے باعث ہر رات یہاں آتا تھا' مگر جس کی جستجو تھی' وہ یہاں موجود نہیں تھی۔

اس نے کھڑے کھڑے گردن موڑی تو چونکا۔ میز پہ رکھی ٹوکری خالی تھی۔ وہ خطوط وہاں نہیں تھے۔ وہ چند لمحے اس ٹوکری کے خالی دامن کو دیکھتا رہا' پھر موبائل نکالا۔

''دولت.... تالیہ کہاں ہے؟'' فون کان سے لگائے' رابطہ ملتے ہی وہ بولا تھا۔

''وہ یہاں سے چلی گئی تھی۔ پرسوں۔''

''کیا وہ اپنے گھر آئی تھی؟'' وہ چہرہ جھکائے خالی ٹوکری کو دیکھ رہا تھا۔

''ہاں۔ مگر آج صبح وہ ملک سے بھی چلی گئی ہے۔ اس نے وزیر اعظم صاحب سے ڈیل کرلی ہے۔ کہاں گئی ہے' یہ تمہارا اگلا سوال ہوگا۔ نہیں بتا سکتا' یہ میرا اگلا جواب ہے۔'' دولت میکانکی انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میرا اگلا سوال یہ نہیں تھا۔'' فاتح نے گہری سانس لی۔''وہ ٹھیک تھی؟''

''بہترین تھی۔'' اس کے انداز میں تلخی تھی۔ ''مگر تم ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' وہ رکا اور قدرے نرمی سے بولا۔ ''تم شادی شدہ ہو' فاتح۔ تمہارا اس لڑکی میں اتنی دلچسپی لینا تمہارے لئے مسئلے پیدا کرسکتا ہے۔''

''جس دن تم نے مجھ سے جھوٹ بول کے تالیہ کو اس کے گھر سے دور کیا تھا' اس روز تم نے میرے دوست کا مقام کھو دیا تھا'

دولت۔ تم اب مجھے کوئی نصیحت کرنے کا حق نہیں رکھتے۔" رکھائی سے کہہ کے فاتح نے فون نیچے کرلیا۔

"کیا میں نے بھی آپ کا دوست ہونے کا مقام کھو دیا ہے؟"

آواز پہ وہ چونکا۔ گردن گھمائی۔

اوپر جاتی تاریک سیڑھیوں پہ کوئی ہیولہ سا نمودار ہوا۔ اور زینے اترنے لگا۔ وان فاتح نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔

نیم اندھیرے میں اس کے خدوخال واضح نہ تھے مگر وہ اس نوجوان کو صرف اس کی آواز سے پہچان سکتا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم دوست ہیں۔" فاتح کے تاثرات قدرے سخت ہوئے۔

ایڈم نے آخری سیڑھی پہ پہنچ کے دیوار پہ ہاتھ مارا۔ پل بھر میں سارا لاؤنج روشن ہو گیا۔ تیز روشنی سے فاتح کی آنکھیں قدرے چندھیا گئیں۔ اس نے گردن پیچھے کی۔ پھر ذرا آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا' ایڈم سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا تھا۔

اس کی شکل پہ ایسی ویرانی اور اداسی تھی جو شاید اس بنگلے کی دیواروں میں بھی نہ تھی۔ شیو ذرا بڑھی ہوئی تھی۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ وہ گلابی آنکھوں میں شکوہ لئے وان فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک زمانے میں ہم دوست تھے' سر۔ چھوٹے..... (انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ذرا سا خلا بنا کے دکھایا) بہت چھوٹے عرصے کے لئے مگر آپ میری راہنمائی کرتے تھے۔ میں آپ سے سوال پوچھتا تھا اور آپ جواب دیتے تھے۔ کیا اب بھی میں سوال پوچھ سکتا ہوں' سر؟"

فاتح نے بھنویں اکٹھی کر کے غور سے اس کی حالت دیکھی' پھر کوٹ ایک صوفے پہ ڈالا اور دوسرے پہ بیٹھتے ہوئے سپاٹ سا بولا۔

"ہوں۔ پوچھو۔" ٹیک لگا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور تھوڑی بلند کر کے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھا۔ بی این کے صدر کے سامنے ایک پرانا باڈی مین کھڑا تھا۔

"آپ یہاں ہر رات کیوں آتے ہیں؟"

"ہر رات؟" فاتح نے ابرو اٹھائی پھر ایک نظر خالی ٹوکری کو دیکھا۔

"نہیں سر' میں نے وہ خط نہیں پڑھے۔ بے فکر رہیں۔"

وان فاتح نے مسکرا کر محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے اگر تم وہ خط پڑھ لیتے تو مجھے فکر ہوتی؟ اگر ایسا تھا تو میں ان کو ای میل کر دیتا' یوں اس گھر کی میز پہ نہ چھوڑتا

جس کی چابی بہت سے لوگوں کے پاس ہے۔'' پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔'' وان فاتح چھپ کے کام نہیں کرتا۔ جو کرتا ہے نڈر ہو کے کرتا ہے۔ تم کیا عصرہ بھی وہ خط پڑھ لے تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔''

''میرا سوال وہیں ہے سر۔ آپ یہاں کیوں آتے ہیں۔ آپ بی این کے صدر ہیں۔ میں نے کبھی آپ کو (قدیم ملاکہ میں بھی.... دل میں کہا) اتنا ایموشنل نہیں دیکھا۔''

وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ شکوک و شبہات میں لپٹی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

''آپ چے تالیہ کے لیے یہاں کیوں آتے ہیں؟''

فاتح نے گردن اٹھا کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب وہ واپس آئے تو وہ یہ جان لے کہ اس کو مس کیا گیا ہے۔ اس کا انتظار کیا گیا ہے۔''

ایڈم کے حلق میں پھندا سا لگا۔'' اور آپ ان کا انتظار کیوں کرتے ہیں۔''

''کیونکہ وہ میرے لئے اہم ہے ایڈم۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے اب کے نرمی سے بولا۔'' وہ ہماری زندگی میں ایک غیر مطلوب اضافے کے طور پہ داخل ہوئی تھی مگر پھر اس نے میرا اتنا ساتھ دیا کہ میں خود کو اس کا مقروض سمجھنے لگا ہوں۔ وہ میرے لئے بہت اہم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ واپس آ جائے اور ایک صاف ستھری زندگی گزارے۔'' وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔'' بی این کا صدر ہونے کے باوجود مجھے اس کے گھر آتے ہوئے خود کو چھوٹا نہیں کرنا پڑتا' ایڈم۔ اس کو خط لکھنے سے میں چھوٹا نہیں پڑ جاؤں گا۔'' پھر پتلیاں سکوڑ کے ذرا تنقیدی نظروں سے اسے دیکھا۔'' تم بتاؤ' تم نے اسے ڈھونڈنے کے لیے کیا کیا؟''

''میں جانتا ہوں' وہ ٹھیک ہیں۔ اور انہیں کم از کم اس وقت میری پرواہ نہیں ہوگی۔ اور ابھی آپ کے اسپیکر فون پہ آپ کا دوست بھی تصدیق کر رہا تھا کہ وہ ملک سے باہر چلی گئی ہیں۔ وہ اپنی آزادی کی تلاش میں ہیں۔ اس لئے میں ان کے بارے میں نہیں' آپ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

وان فاتح نے پہلے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور پھر اسے دیکھا۔'' ابھی تمہارے سوال رہتے تھے؟''

ایڈم سامنے والے صوفے پہ آگے ہو کے بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔

''آپ ہمیشہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس چھپانے کو کچھ نہیں ہے۔ میں آپ سے ایک سوال کا سچا جواب چاہتا ہوں۔''

فاتح بظاہر اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا مگر چہرے پہ ہلکی سی برہمی در آ رہی تھی جیسے اسے خود کو یوں کٹہرے میں لانا پسند نہ آیا ہو مگر اپنا بزنس فیس قائم رکھتے اس نے حوصلہ افزا انداز میں سر کو جنبش دی۔ وہ اب ایک رپورٹر تھا اور عین ممکن ہے کسی بٹن

کیمرے سے فاتح کی ویڈیو بنا رہا ہو۔

"کیا آپ کی کلائیڈ اینڈ لی یا کہیں اور.....کوئی آف شور کمپنی ہے؟"

پوچھتے ہوئے ایڈم کے ذہن میں تالیہ کا بتایا گیا نسخہ گونجا۔

("اگر تم نے جاننا ہو کہ تمہارے سوال کے جواب میں سامنے والے نے جھوٹ بولا ہے یا سچ تو اس کا تعین اس کے 'ہاں' یا 'نہیں' سے مت کرنا۔ وہ انکار یا تصدیق کے 'بعد' کیا کہتا ہے' وہ اہم ہوتا ہے۔"

"کیسے؟" ایک زمانے میں کم علم اور سادہ سے ایڈم نے پوچھا تھا۔

"بہت سمپل۔ جھوٹا شخص جواب دے کر فوراً سے اگلا فقرہ اپنی صفائی میں بولے گا۔ مگر سچے آدمی کا اگلا فقرہ تمہاری ذات پہ سوال اٹھانے والا ہوگا۔ انسان کے پاس چھپانے کو کچھ نہ ہو تو وہ اپنی صفائی نہیں دیتا' دوسرے کے سوال کا سیاق و سباق جاننے کی کوشش کرتا ہے۔")

ایڈم کے سوال پہ فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"نہیں۔ تمہیں ایسا خیال کیوں آیا کہ میرے پاس کوئی آف شور کمپنی ہو سکتی ہے؟"

وہ ایڈم کے سوال کا سیاق و سباق پوچھ رہا تھا۔

ایڈم نے گہری سانس خارج کی۔ "یعنی آریانہ ہولڈنگ آپ کی نہیں ہے؟"

"واٹ آریانہ ہولڈنگ؟" اس کی آنکھوں میں الجھن بھری۔

ایڈم نے کوٹ کی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے عینک نکال کے ناک پہ جمائی اور اس لفافے کے کاغذات کو کھولا۔ ابرو بھینچے اس نے پہلے تعجب اور پھر برہمی سے اس کاغذ کو پڑھا' پھر چشمے کے اوپر سے ایڈم کو دیکھا۔

"یہ کوئی مذاق ہے کیا؟"

"سر.....یہ آپ کے نام' پاسپورٹ اور آپ کے دستخط سے بنائی گئی آف شور کمپنی ہے۔ کیا یہ آپ نے نہیں بنائی؟" وہ امید اور خوف کے درمیان پوچھ رہا تھا۔

"واٹ ربش؟ میں نے کبھی ایسی کوئی کمپنی نہیں بنائی۔" فاتح سیدھا ہو کے بیٹھا اور قدرے فکرمندی سے ان کاغذات کو کنگھالنے لگا۔ "مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی اس کمپنی کا نام بھی سنا ہو۔ یہ پیپرز تمہیں کہاں سے ملے؟"

ایڈم الجھ گیا مگر اس کے کندھوں سے بہت سا بوجھ اترنے لگا۔ وہ مختصر الفاظ میں ساری تفصیلات بتاتا گیا۔ فاتح نے

کاغذات میز پہ ڈالے عینک تہہ کر کے جیب میں رکھی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''یہ کاغذات ابھی فارنزک میں دو تو جعلی ثابت ہو جائیں گے۔''

مگر ایڈم اب کسی اور نہج پہ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کی تلخی عنقا ہو چکی تھی۔

''سر.... کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے آپ کے نام سے یہ کمپنی بنا دی ہو؟ یہ خاصی پرانی کمپنی ہے۔''

''ایسا کون کرے گا؟ اچھا اگر میرے جعلی دستخط بھی کوئی بنا لے تو کلائیڈ اینڈ لی کسی اور کو میرے نام سے کمپنی کیوں بنانے دے گی؟ بے ایمانی کی دنیا میں بھی کاروبار ایمانداری سے چلایا جاتا ہے۔''

''مگر سر.... صوفیہ رحمٰن کی کمپنی بنائی تو صوفیہ نے تھی مگر وہ اس کی بیٹیوں کے نام ہے۔'' ایڈم سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔ ''تمام امراء اور رؤساء نے کمپنیز اپنے بیوی بچوں کے ناموں پہ بنا رکھی ہیں۔ کلائیڈ اینڈ لی کمپنی کے اصل مالک کا نام چھپا کے اس کے کسی فیملی ممبر کے نام سے کمپنی بنا دیا کرتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ....'' ایڈم نے احتیاط سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کمپنی کا اصل مالک آپ کا کوئی قریبی فیملی ممبر ہو۔''

''واٹ ربش۔ میرا کوئی فیملی ممبر ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔'' وہ جھڑک کے کہتا اٹھا اور تہہ شدہ کوٹ اٹھایا۔ ''اگر تمہیں یہ کاغذات پبلک کرنے ہیں تو شوق سے کرو۔ وان فاتح کے پاس چھپانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ کاغذات جھوٹے نکلے تو میں ان کے خلاف ملائیشیاء کے ہر کورٹ میں جاؤں گا۔'' وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ایڈم ساتھ ہی اٹھا۔

''سر.... مجھے یہ پبلک کرنے پڑیں گے مگر آپ ایک دفعہ مسز عصرہ سے پوچھ لیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے....''

فاتح نے ہاتھ اٹھایا تو ایڈم کی چلتی زبان رک گئی۔

''میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ ایڈم۔'' پھر ایک ناگواری بھری نظر ان کاغذات پہ ڈالی۔ ''صوفیہ نے میرے خلاف جال بچھایا اور تم اس میں آ گئے۔ بہتر تھا کہ تم یہ وقت تالیہ کو تلاش کرنے میں صرف کرتے۔''

''وہ جہاں بھی ہیں ٹھیک ہیں۔ اس لئے ہمیں ان کو نہیں خود کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اب بھی....'' ایڈم تلخی سے مسکرایا۔ ''اگر وہ ملک سے باہر چلی گئی ہیں وہ بھی ہمیں بتائے بغیر.... تو اس کا ایک ہی مطلب ہے۔''

وہ دونوں حالم کے لاؤنج میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تناؤ کی کیفیت پھر سے در آئی تھی۔

''اور وہ کیا؟''

''یہی کہ مجھے اپنی کتاب پہ کام کرنا ہے.... اور آپ کو ان کاغذات کے مقابلے میں اچھا وکیل اور اچھا ڈیفنس اپنانے کی شدید ضرورت ہے کیونکہ رہیں بے تالیہ.... تو وہ....'' ایڈم کی مسکراہٹ زخمی سی نظر آنے لگی۔

"وہ نہیں جاننا چاہتیں کہ ان کے پیچھے کے ایل میں کیا ہو رہا ہے۔"

ایڈم کے الفاظ دل کو زخمی کرنے والے مگر طاقتور تھے۔ اتنے طاقتور کہ حالم کی داستان میں موجود کے ایل کے باب کو ان الفاظ نے کسی کتاب کی طرح ایک دم بند کر دیا..... یوں جیسے پڑھنے والے کے لئے اس باب میں سناٹا چھا گیا ہو۔ اندھیرا اور خاموشی' جو مجبور کر دے کہ کوالالمپور اور اس میں رہنے والوں کی داستان کو وہیں چھوڑ کے تم قاہرہ میں آ جاؤ جہاں.....ایڈم اور فاتح کی اس گفتگو سے اگلے روز..... تپتی دوپہر میں ایک کار مکینک کے سامنے کھڑی تالیہ مراد کہہ رہی تھی کہ ان دونوں کو ایک کتاب چرانی ہے۔

وہ بھی ایک رائٹر کے دماغ سے۔

☆☆=========☆☆

دھوئیں کی دیوار چھٹی تو تالیہ نے پہلی دفعہ اس کا چہرہ دیکھا۔

مکینک آستین کہنیوں تک موڑے' داغدار شرٹ پہنے کھڑا تھا۔ وہ دراز قد اور صاف رنگت کا آدمی تھا البتہ چہرے' گردن اور ہاتھوں پہ جگہ جگہ کالک کے نشان لگے تھے۔ پی کیپ نے ماتھے پہ سایہ کر رکھا تھا البتہ کنپٹی پہ زخم کا ایک پرانا نشان جو غالباً کسی سرجری کی نشانی تھا' واضح نظر آتا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں بہت گہری تھیں اور وہ ان میں شک و شبہ بھرے اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اندر تک اترنے کی سعی کر رہا ہو۔

حالم کو قاہرہ کا مکینک پہلی ہی نظر میں شدید ناپسند آیا تھا۔

"کسی کے دماغ سے کتاب کون چرا سکتا ہے؟" وہ اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتے ہوئے جھکا اور زمین پہ رکھا کوئی پائپ ہٹایا۔ پائپ تالیہ کے پیروں سے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ اس تنگ گزرگاہ میں وہ پائپ رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ وہ پیچھے ہٹی تو مکینک نے فرنٹ ڈور بند کر دیا۔ راستہ کھل گیا۔ مگر اس نے تالیہ کو آگے آنے کی دعوت نہیں دی۔ بس ایک باکس اٹھا کے بونٹ کے ساتھ چوکی پہ رکھا اور اس کا ڈھکن کھولا۔ پی کیپ والا سر اب جھک چکا تھا۔

"اگر کوئی اور چرا سکتا تو میری وزیراعظم کو میری ضرورت نہ پڑتی۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب باکس میں ٹولز ڈال رہا تھا۔ جھٹکے سر کے ساتھ شانے اچکائے۔

"خیر۔ کون ہے وہ رائٹر؟"

تالیہ نے گردن موڑ کے ارد گرد دکانوں کو دیکھا جہاں اوزاروں اور گاہکوں کی آوازوں نے شور برپا کر رکھا تھا۔

"جب تم مناسب جگہ پہ آؤ گے اور ہم کام شروع کریں گے تو بتا دوں گی۔ فی الحال....."

''اور میری فیس کتنی ہوگی؟'' اس نے باکس بند کیا اور سر اٹھا کے تالیہ کو سنجیدگی سے دیکھا تو لمحے بھر کو وہ چپ رہ گئی۔

(یہ فیس بھی لے گا اب؟)

''احمد نظام صاحب نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا تاکہ تم غیر مشروط طور پہ میری مدد کرو اور اس جاب کو کامیاب بناؤ اور......''

''فیس ایڈوانس ہوگی۔'' وہ باکس اٹھا کے مڑا اور اندر دکان کی طرف چلا گیا۔

اس نے مٹھیاں ضبط سے بھینچیں۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ کار کی سائیڈ سے نکل کے آگے آئی تو راستہ کھلا ہو گیا۔ سامنے دکان کا احاطہ تھا جہاں دیواروں پہ جگہ جگہ اوزار لگے تھے اور سپیئر پارٹس کھلے پڑے تھے۔ موبل آئل کی بُو اور کالک ہر جگہ تھی۔

''دیکھو اس کام میں جو خرچہ آیا وہ میں اٹھاؤں گی مگر احمد نظام نے کہا تھا کہ تم بغیر فیس کے کام کرو گے کیونکہ وہ میرے مقروض ہیں۔''

''میں نہیں ہوں۔ مجھے یہ فیس چاہیے ہوگی۔'' اس نے باکس رکھا اور جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ جتنا کاغذ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ سفید موٹے کاغذ پہ پہلے سے ایک رقم لکھی تھی۔

(ارے واہ۔ یہ تو تیار بیٹھا تھا۔)

تالیہ نے کاغذ کو اوپر کر کے روشنی میں پڑھا۔ دکان کے اندر اندھیرا اور کالک تھی۔ دھوپ پیچھے سے آ رہی تھی۔ رقم کے حروف نمایاں ہوئے تو تالیہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوا۔

''اتنی فیس لے کر کیا کرو گے تم؟''

''دنیا میں کچھ بھی مفت نہیں ملتا۔'' رکھائی سے کہہ کے وہ مڑا اور دیوار تک گیا۔ پھر جھک کے ایک پیچ کس اٹھایا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور چٹ مٹھی میں دبالی۔

''خیر۔ میں یہ رقم تمہیں دے دوں گی۔ ایڈوانس کب تک چاہیے؟''

''ہر روز۔ کام شروع کرنے سے پہلے۔'' اس نے جھک کے ایک ڈبے کا پیچ کھولتے ہوئے کہا تو تالیہ کا دماغ بھک سے اڑا۔ اس نے دوبارہ سے اس چٹ کو پڑھا۔ ''یہ پورے کام کی فیس ہے یا یومیہ اجرت؟''

آنکھیں نکال کے بے یقینی سے اس کی پشت کو دیکھا۔

اس سوال پہ وہ رکا۔ پھر آہستہ سے سیدھا ہوا اور مڑ کے اتنی ہی حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی تھی۔

''یومیہ اجرت؟ مادام میں گھنٹوں کے اعتبار سے کام کرتا ہوں۔ یہ ایک گھنٹے کی اجرت ہے مادام۔ میں ایک دن میں تین

سے چار گھنٹے دے سکتا ہوں تمہارے کام کو۔اس سے زیادہ نہیں۔" رکھائی سے کہہ کے وہ واپس اپنے باکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

تالیہ کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔اس نے اس چٹ پہ لکھی رقم کو دوبارہ گھورا' ذہن میں ضرب تقسیم کیا اور پھر.....غصے سے اس چٹ کو مروڑ دیا۔

"میرے پاس ملاکہ سلطنت کے خزانے نہیں ہیں جو میں یہ رقم تمہیں دے سکوں۔اور مجھے کیا معلوم تم کسی اہل بھی ہو یا نہیں؟ کرتے کیا ہو تم؟ اسکامر ہو؟ چور ہو؟ کیٹ برگلر؟ یا سراغ رساں؟"

وہ اب پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا دو انگلیوں سے پیچ کھول رہا تھا۔اس سوال پہ ذرا سے شانے اچکائے۔

"کہا نا۔مکینک ہوں۔"

"گڈ۔تمہیں تمہاری یہ ورک شاپ مبارک ہو۔میں اپنا کام خود کر سکتی ہوں۔فی گھنٹہ اجرت' مائی فٹ۔"

پیر پٹخ کے مڑی۔

"تم بھی تو فی گھنٹہ اتنی ہی فیس لیتی ہو' حالم۔" اس نے پیچ کس رکھا اور اٹھا۔

تالیہ اپنی جگہ ٹھہر گئی اور پھر دھیرے سے مڑی۔

وہ اب کونے میں بنے سنک کی طرف بڑھ گیا تھا۔وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے غور سے اس کی پشت کو دیکھنے لگی۔

مکینک نے ٹوپی اتار کے ایک طرف رکھی' تیز دھار نل کھولا اور سر جھکا کے منہ پہ پانی ڈالا' پھر ہاتھ دھونے لگا۔پانی کی آواز سارے شور پہ حاوی ہونے لگی۔

وہ کچھ دیر تک نہ بولی تو جہان نے سر اٹھا کے آئینے میں اس کا چہرہ دیکھا۔

"اس رقم کو اپنے ملک کی کرنسی میں تبدیل کرو تو یہ حالم کی فی گھنٹہ اجرت کے برابر بنتی ہے۔اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟"

گدلے آئینے میں نظر آتے تالیہ کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"اوہ۔تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھے حیران کر رہے ہو۔غلط۔تم میرے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو گے۔مگر۔تم' مجھے' نہیں جانتے۔"

جہان نے ساتھ رکھا رومال اٹھایا اور ہاتھوں کی گیلی کالک کو اس سے پونچھتا تالیہ کی طرف گھوما۔

"میں اتنا جانتا ہوں کہ صوفیہ رحمٰن نے تمہیں لامحدود فنڈز دیے ہیں۔جب اس رقم پہ راضی ہو جانا تو مجھے کال کر لینا۔کیونکہ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے اور میں بغیر فیس کے کام نہیں کروں گا۔" وہ رومال سے اب پوروں پہ لگی کالک رگڑ

کے اتار رہا تھا۔

"کیونکہ تم ایک غریب مکینک ہو؟"

"وہ تو تمہیں نظر آرہا ہے۔" تالیہ کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے جہان نے کندھے اچکائے۔

"میں بتاؤں مجھے کیا نظر آرہا ہے' انچے جہان؟"

اس نے استہزائیہ ابرو اٹھائی اور پھر آنکھوں میں چمک لئے مسکرائی۔

"مجھے ایک ایسی دکان نظر آرہی ہے جو تم نے شاید کل ہی کھولی ہے۔" چہرہ گھما کے اطراف کا سرسری سا جائزہ لیا۔ "اپنا نیا کور بنانے کے لئے ایک ہی دن میں تم نے اچھی دکان سیٹ کر لی ہے' کسی کی کھٹارا گاڑی بھی کھڑی کر دی' چند جعلی گاہک بھی بلا لئے (ہاتھ سے دور کھڑے ایک دوسرے مکینک سے مخاطب آدمی کی طرف اشارہ کیا۔) اردگرد کے دکانداروں کو پیسے دے کر یہ بھی کہہ دیا ہوگا کہ کسی کو بتانا نہیں کہ یہ دکان کل ہی کھولی گئی ہے کیونکہ تم نہیں چاہتے کہ ملائیشاء سے آئی لڑکی کو تمہارا اصل پیشہ معلوم ہو مگر اتنا اچھا کور نہیں بنایا تم نے۔ سوری....." وہ ہمدردی سے کہہ رہی تھی اور وہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے چپ چاپ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں اگر تمہاری جگہ اس شاپ کو آٹو ورکشاپ بناتی تو تمہاری طرح جگہ جگہ سے دیواریں کالی نہ کرتی۔ اصل ورکشاپ کی دیواروں کی کالک نیچے سے اوپر تک آتی ہے۔ نیچے سب سے زیادہ سیاہی۔ اوپر آتے آتے تک وہ ہلکی ہو جاتی ہے۔ اور عموماً آدھی دیوار تک ختم ہو جاتی ہے۔ اور ہاں اگر تم روز اسی ورکشاپ میں کام کرتے تو تم نے سنک کے ساتھ کیپ لٹکانے کے لیے کھونٹی بنائی ہوتی کیونکہ تمہیں دن میں کئی دفعہ منہ دھونا پڑتا ہوگا۔ اسٹل۔ نائس ورک۔ رہی بات فیس کی تو میرے ساتھ احمد نظام نے فیس کی بات نہیں کی تھی۔ میں تمہارے بغیر بھی یہ کام کر لوں گی۔"

چٹ کو مٹھی میں مروڑتے ہوئے وہ پیر پٹخ کے مڑ گئی۔

"شیور۔ بائے۔" وہ آدمی شرمندہ ہوئے بغیر ہاتھ رومال سے رگڑتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے چلتی جا رہی تھی۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہ تھی۔ وہ خود یہ کام کر لے گی۔

دکانوں کا شور دور ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اندھیرے سے نکل کے دھوپ سے روشن سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

تالیہ ہوٹل کے کمرے میں واپس آئی تو جھنجھلاہٹ سے برا حال تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا' جوتے ایڑیوں سے رگڑ کے اتارے' پھر اسی برہمی سے پرس اور چابیاں پرے پھینکیں اور خود غصے سے صوفے پہ ڈھیر ہو گئی۔

ایک تو گرمی اور اوپر سے اس مکینک کی باتوں نے اسے تپا دیا تھا۔ اسے احمد نظام کی پیشکش قبول ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ تالیہ مراد تھی۔ اسے کسی کی مدد نہیں چاہیے تھی۔ نیا ملک ہے تو کیا ہوا، وہ خود ہی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گی۔

کچھ دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی یہاں تک کہ اندر کا شور تھما تو کمرے کی خاموشی سنائی دینے لگی۔

اتنی خاموشی، اتنی ویرانی کہ تالیہ کا دل ہولنے لگا۔

اس نے صوفے پہ نیم دراز ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کیا۔ اسکرین روشن ہوئی اور ایک آدمی عربی میں خبریں پڑھتا نظر آیا۔ چند چینل سرف کیے تو یہ برقی شور دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح برسنے لگا۔ تالیہ نے اکتا کے ٹی وی بند کیا۔

پھر سے وہی خوفناک خاموشی چھا گئی۔

وہ اجنبی ملک میں اکیلی بیٹھی تھی۔

اس نے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ واٹس ایپ آف تھا مگر ای میل آن تھی۔ داتن، ایڈم اور فاتح کی الگ الگ ای میلز آئی ہوئی تھیں۔ اس نے پڑھے بغیر ان کو ڈیلیٹ کر دیا تاکہ وہ اس کو نظر نہ آئیں اور یہ کرتے ہوئے چہرے پہ پتھریلے تاثرات چھا گئے تھے۔

ایک دفعہ پھر کمرے کی خاموش دیواریں اس کو گھورنے لگیں۔ وہ میز پہ پیر رکھے، سینے پہ بازو لپیٹے، صوفے پہ نیم دراز چھت کو دیکھنے لگی۔

اب وہ کیا کرے؟ وہ یہاں کسی کو نہیں جانتی تھی اور یہ مکینک بھی ہاتھ سے گیا۔ اسے ایک دم پھر سے اس پہ غصہ آیا۔

پیسے چاہیے ہیں اس کو؟ وہ بھی اتنے سارے؟ دے ہی نہ دوں میں اتنے پیسے۔ ہونہہ۔ اتنے داؤ پیچ ڈال کے اس نے مجھے اپنا پتہ بتایا اور جاتے جاتے ساتھ اتنی آسانی سے رقم لکھ کے پکڑا دی۔ نہ کام کی نوعیت جانی، نہ کچھ اور......

مگر اتنی آسانی سے کیوں؟ وہ تو ہر بات کو کوڈز کی صورت لکھنے والا آدمی معلوم ہوتا تھا.....پھر؟

وہ دھیرے سے سیدھی ہوئی۔ ذہن میں کوئی گھنٹی بجی تھی۔

تالیہ نے جلدی سے بیڈ پہ گرا پرس اٹھایا اور اندر ہاتھ ڈال کے وہ مڑی تڑی پرچی نکالی۔ وہ اسے ٹھیک سے مروڑ نہیں سکی تھی اسی لئے پرس میں پھینک دیا تھا۔

مگر وہ اسے ٹھیک سے کیوں نہیں مروڑ سکی تھی؟ ہاتھ پہ کاغذ کی سختی کا تاثر ابھی تک قائم تھا۔ مگر کیا وہ صرف کاغذ تھا؟

اس نے موٹے گتے کا کارڈ سیدھا کیا۔ پھر اوپر اٹھا کے روشنی میں دیکھا۔ پرچی کے وسط میں کاغذ کی تہوں میں کچھ چھپا تھا۔

تالیہ کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔ یعنی اس مکینک کو پیسے نہیں چاہیے تھے۔ وہ خاموشی اور رازداری سے اس کو کوئی دوسرا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے آہستہ سے کاغذ پھاڑا اور دو تہیں الگ کیں۔ اندر ناخن برابر چھوٹا سا سم کارڈ تھا۔ نینو کارڈ۔

وہ کھلے دل سے مسکرا دی۔ ایک دم وہ کم برا لگنے لگا تھا۔

(جب اس رقم پہ راضی ہو جاؤ تو مجھے کال کرنا۔)

کچھ دیر بعد وہ نیا فون خرید کے لائی اور اس نینو سم کارڈ کو اندر ڈالا۔ اندر ایک ہی نمبر محفوظ تھا۔ تالیہ نے اس پہ کال کی۔

''یہ نیا فون ہے نا؟'' رابطہ ملتے ہی اس آدمی کی خشک مگر بھاری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''ہاں۔'' وہ بیڈ پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی، گود میں کشن رکھے ہوئے تھی۔

''اپنی گورنمنٹ کے دیے گئے کریڈٹ کارڈ سے خریدا ہے؟'' وہ مشکوک تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی۔ ''اتنی عقل ہے مجھ میں انچے (مسٹر)۔ اگر تم نے مجھے دوسری سم دی ہے تو اس لئے کیونکہ پچھلی ٹریک کی جا رہی تھی۔ اس لیے نیا فون خرید کے نہیں چرا کے لائی ہوں۔ نہ ریکارڈ نہ کوئی مسئلہ۔''

''گڈ۔ اب اپنے حکومتی ہینڈلر سے رابطہ کرو۔ پرانے فون سے اور اس کو ڈراؤ دھمکاؤ جو بھی کرو مگر اس کو کہو کہ تمہارے ہوٹل کی لابی میں اس وقت جو سفید اسکرٹ والی عورت بیٹھی ہے اور جو ساری دوپہر تمہارا پیچھا کرتی رہی ہے اس کو تمہارے تعاقب سے ہٹا دیں۔ میں نہیں چاہتا تمہاری وجہ سے کوئی میرا تعاقب کرے۔''

''اس کی اسکرٹ زرد تھی، سفید نہیں۔''

''گڈ۔ میں صرف چیک کر رہا تھا کہ تم نے اسے نوٹس کیا یا نہیں۔''

''نوٹس کیا تھا۔ تبھی تو بازار میں اس کو ڈچ کر دیا تھا۔ وہ تمہاری دکان تک نہیں آئی تھی۔''

''جانتا ہوں۔ بہر حال اپنے ہینڈلر کو کال کرو اور اپنے پیچھے سے اس ٹیل کو ہٹواؤ۔ پھر ہم کام شروع کریں گے۔''

''شیور۔ کوئی اور حکم؟'' وہ طنز سے بولی مگر وہاں سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ تالیہ کا موڈ ایک دم ہی اچھا ہو گیا۔ وہ تنہا نہیں تھی۔ اور اب وہ اس کام کو جلد سے جلد مکمل کر کے یہاں سے جا سکے گی۔

''دولت صاحب۔ کیسے مزاج ہیں۔'' تھوڑی دیر بعد وہ گود میں تکیہ رکھے خوش مزاجی سے فون پہ کہہ رہی تھی۔

''اچھا ہوں۔ آپ بتائیں۔ کام ہو رہا ہے؟''

''کام تو تب ہو گا جب آپ کے لوگ اتنے اعلانیہ طریقے سے میرا تعاقب نہیں کریں گے۔'' وہ مسکرا کے انگلی پہ بال لپیٹتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ''دیکھیں' آپ کو میرا تعاقب کرنا ہے تو شوق سے کروائیں۔ نہ میں نے بھاگنا ہے نہ مجھے کسی کا ڈر

ہے۔لیکن تعاقب کار اگر میری نظر میں آسکتے ہیں تو کسی اور کی نظر میں بھی آسکتے ہیں۔یوں میرا کور خراب ہوگا اور وہ ٹارگٹ کو علم ہو جائے گا۔باقی مجھے آپ آرام سے فالو کریں۔مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بس مجھے کوئی اپنے پیچھے نظر آیا تو میں نے یہ کام چھوڑ کے غائب ہو جانا ہے۔پھر کون ہیک کرے گا ٹارگٹ کا ذہن؟"

"میں....سوری....یہ بس معمول کے پروٹوکولز ہوتے ہیں۔ڈونٹ وری اب کوئی آپ کا تعاقب نہیں کرے گا۔" وہ شرمندگی سے معذرت کر رہا تھا۔

"کہہ دیا ان کو کہ میرا تعاقب نہ کریں۔" تھوڑی دیر بعد وہ فون پہ کہہ رہی تھی۔"مگر ہم دونوں جانتے ہیں کہ...."

"کہ وہ تمہارا تعاقب قبر تک نہیں چھوڑیں گے' حالم۔گورنمنٹ کے لئے کام کرنے سے پہلے تمہیں یاد رکھنا چاہیے تھا کہ نہ وہ تمہیں کبھی معاف کریں گے نہ تم سے کام لینا چھوڑیں گے۔" وہ رکا۔"سنولز کی...ابھی بھی چانس ہے۔بھاگ جاؤ۔"

"تم میری فکر نہ کرو۔یہ بتاؤ کہ تم میری مدد کیسے اور کب کرو گے۔" وہ رکھائی سے بولی۔جواب میں اس نے گہری سانس لی۔

"تمہارے تعاقب کار تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اس لیے تمہیں آج اپنا ہوٹل بدلنا ہوگا۔اب وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔"

وہ سنجیدگی سے ہدایات دے رہا تھا اور وہ قدرے ناگواری سے سن رہی تھی۔اسے ڈکٹیشن پسند نہیں تھی مگر مجبوری تھی۔

☆☆=========☆☆

رات گہری ہو رہی تھی اور قاہرہ کے اس شاندار سے ہوٹل کی روشنیاں تیز ہو چکی تھیں۔ہوٹل کی کئی منزلہ بلند عمارت سبزہ زار پہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے کھجور کے درختوں کی باڑ بنی تھی جس کے آگے سوئمنگ پول تھا۔

نیلے پانیوں کے اس تالاب کے چاروں طرف لیٹنے کے لیے چیئر (آرام کرسیاں) رکھے تھے۔تالاب کی دوسری جانب گھاس پہ اوپن ایئر ریستوران تھا۔قطاروں میں میزیں لگی تھیں اور ان کے گرد ہوٹل میں ٹھہرے مہمان بیٹھے رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔باربی کیو کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی اور رات کے باعث موسم بھی خوشگوار ہو چلا تھا۔

ایسے میں کھلے آسمان تلے بچھی میزوں میں سے ایک پہ تالیہ بیٹھی تھی۔تھوڑی تلے مٹھی جمائے وہ گردن موڑ کے تالاب کو دیکھ رہی تھی جس کا نیلا پانی عمارت کی روشنیوں میں چمک رہا تھا۔تالیہ کی نظریں تالاب سے اٹھیں اور کھجور کے درختوں کی باڑ پہ جم گئیں جو تالاب اور ہوٹل کی عمارت کے درمیان حائل تھے۔

سامنے والی کرسی کے کھینچے جانے کی ہلکی سی آواز آئی تو اس نے چونک کے گردن موڑی اور سیدھی ہوئی۔

وہ بنا آہٹ کے جانے کب آیا تھا اور اب کرسی پہ کھینچ رہا تھا۔ پی کیپ سے ماتھے پہ سایہ کیے وہ بھوری آنکھوں والا وجیہہ صوت آدمی سامنے والی کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ اس نے موسم کی مناسبت سے ہلکی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین پیچھے کو چڑھے تھے۔

''آر یو شیور کوئی تمہارا پیچھا نہیں کر رہا؟''

''میں نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا ہے اور جس طرح نکلی تھی' میرا نہیں خیال کوئی مجھے ڈھونڈ سکے گا۔ یہاں کمرہ لیتے وقت بھی دوسری شناخت استعمال کی ہے۔ ویسے بھی یہ میری پردھان منتری کا ذاتی کام ہے۔ وہ وائٹ کالر کرمنل ہیں۔ دو چار سے زیادہ لوگوں کو میرے تعاقب میں نہیں لگا سکتیں نہ ہی حکومتی مشینری استعمال کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی میرا پیچھا کر بھی رہا ہے تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔'' گلابی سکرٹ بلاؤز اور سفید ہیٹ والی لڑکی بے پرواہ لگتی تھی۔ اس کے چہرے پہ صرف سادگی تھی۔ ہاتھ' گردن اور کان کسی بھی زیور سے خالی تھے۔ وہ انگوٹھی بھی ندارد تھی۔ جہان نے چند لمحے اس کے چہرے کا مطالعہ کیا اور پھر گویا ہوا۔

''اینی ویز... کام کیا ہے؟ کون سی کتاب چرانی ہے اور کہاں سے؟''

وہ غور سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کی کنپٹی پہ موجود زخم کا نشان' عمارت سے آتی پیلی روشنیوں میں واضح دکھائی دیتا تھا۔ تالیہ ذرا کھنکھاری۔

''سب سے پہلے تو میری مدد کے لئے شکریہ۔''

جہان نے کندھے اچکائے۔ ''تمہارا ابھی شکریہ۔''

وہ جو بات آگے بڑھانے لگی تھی' رک کے اسے دیکھنے لگی۔ ''میرا شکریہ کیوں؟''

''میری یومیہ اجرت پہ راضی ہونے کے لئے۔''

تالیہ مراد کے کندھے سیدھے ہوئے۔ آنکھیں پوری کھلیں۔

''وہ... وہ رقم' وہ جو تم نے کاغذ پہ لکھی تھی؟ وہ اب بھی چاہیے تمہیں؟'' دماغ بھک سے اڑا۔

''اگر تمہیں نہیں دینی تھی تو تم نے مجھے کال کیوں کی؟''

''کیونکہ تم نے مجھے اس چٹ میں نئی سم ڈال کے دی تھی۔''

''ہاں اور میں نے کہا تھا کہ اگر اس رقم پہ راضی ہو جاؤ تو مجھے کال کر لینا۔ جو کہ تم نے کر لی۔ اس لئے میں وقت نکال کے آیا ہوں تمہارے پاس۔'' ساتھ ہی مصروف انداز میں کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اگر تمہیں منظور

نہیں ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔"

وہ دانت پہ دانت جمائے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔

"وہ بہت بڑی رقم ہے۔"

"کام چھوٹا ہے کیا؟" وہ مسلسل بند لبوں سے منہ ہلاتے ہوئے چیونگم بھی چبا رہا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور اندر ابلتے غصے کو بمشکل واپس دبایا۔

"میں تمہیں اس سے ذرا کم رقم دے سکتی ہوں۔"

"Not a penny more, not a penny less."

اس نے رکھائی سے بات کاٹی تو تالیہ نے دوبارہ گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے۔ مگر پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو؟" اب کے وہ مشکوک نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "چور ہو؟ یا اسکامر؟ یا کوئی کرائے کے قاتل؟ یا گینگسٹر؟"

"کتنی دفعہ بتایا ہے کہ مکینک ہوں۔ لکھ کے دوں کیا؟" چڑچڑا سا جواب آیا۔

"اچھا۔" تالیہ نے مشروب کا گلاس اٹھا کے گھونٹ بھرا اور پھر اسے واپس رکھا۔ رات کی برقی روشنیوں میں وہ دونوں ٹھنڈی ہوا میں تالاب کے کنارے میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"مان لیا۔ مگر مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم میرے کام آ سکتے ہو یا نہیں۔ اس لیے یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا جانتے ہو؟"

"I Fix Things" وہ اس سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"ہوں۔ صرف چیزیں؟"

"چیزیں۔ مسئلے۔ لوگ۔" کندھے اچکائے۔

"اور اس سے پہلے تم کتنے قابل ذکر کام کر چکے ہو؟"

"سوری مگر کیا یہ جاب انٹرویو ہے؟" ناگواری سے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یومیہ اجرت تو جاب کی ہی ہوتی ہے۔" جتا کے بولی۔

"گرل.... اگر تمہیں میری مدد چاہیے تو میری قابلیت پہ بھروسہ رکھو۔"

"گرل؟" تالیہ نے دونوں ابرو اٹھا کے اس کے انداز تخاطب پہ تعجب ظاہر کیا۔ جواب میں اس نے شانے اچکائے۔

"تمہارے اپنے ملک میں بہت سے نام ہیں۔ مجھے کیا معلوم کہ کون سا اصلی ہے۔ خیر۔ کام بتاؤ" اس نے سنجیدگی سے

یاد دلایا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور ہلکی سی مسکرائی۔ اس کی آنکھیں چمکیں۔ اس لمحے ان کی چمک تالاب کے نیلے پانی سے زیادہ تھی۔

''ہمیں ایک رائٹر کے ذہن سے ایک کتاب کو چرانا ہے۔ ایسے کہ وہ اسے بھول جائے اور کبھی لکھ نہ سکے۔ اور یہ کتاب لکھے جانے سے پہلے ہی مر جائے۔''

''انٹرسٹنگ۔ اور یہ کس طرح کی کتاب ہے؟'' جہان کی آنکھوں میں دلچسپی اور تجسس ابھرا۔

''سیاست میں دو طرح کی کتابیں ہی تہلکہ مچاتی ہیں۔ ایک وہ جیسی ایڈم بن محمد لکھتا ہے۔ حکمرانوں کی کرپشن کو بے نقاب کرنے والی۔ اور دوسری وہ جو سیاستدان کی ایکس وائف لکھتی ہے۔ اسکینڈلز اور سنسنی سے بھرپور جو.....''

''نیلوفر بخت.....تم نیلوفر بخت کے پیچھے آئی ہو یہاں!'' وہ بات کاٹ کے کراہا جیسے یہ خیال پہلے نہ آنے پہ غصہ آیا ہو۔ ''ظاہر ہے تمہاری وزیر اعظم نے تمہیں اسی کے لیے یہاں بھیجا ہوگا۔ میں سمجھا تھا کوئی سرکاری کام ہوگا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا جیسے ساری بات سمجھ میں آ گئی ہو۔ ''مگر کیا یہ سچ ہے کہ نیلوفر بخت واقعی کتاب لکھ رہی ہے؟''

''ہاں۔ صوفیہ رحمٰن کی سوتیلی ماں نیلوفر بخت کتاب لکھ رہی ہے داتو سری عبدالرحمٰن کے خلاف اور وہ اسے الیکشن کیمپین شروع ہونے سے پہلے مارکیٹ میں لائے گی تاکہ...''

''تاکہ اس کتاب کے ذریعے صوفیہ رحمٰن کے خاندان سے لوگوں کو بدظن کیا جائے۔''

''تم بار بار میری بات کیوں کاٹ رہے ہو؟''

''تم بار بار دائیں طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟'' وہ دوبدو بولا تو تالیہ نے ناگواری سے سر جھٹکا اور بات جاری رکھی۔ (اب کی دفعہ لہجہ دوستانہ نہیں تھا۔)

''تم جانتے ہی ہو گے کہ نیلوفر بخت عمر میں صوفیہ جتنی ہی ہوگی۔ اس کی آٹھ نو برس پہلے عبدالرحمٰن صاحب سے طلاق کے بعد تین سالہ شادی شدہ زندگی ختم ہوئی تھی۔ نیلوفر پہلے اٹلی چلی گئی اور پھر مصر آ گئی۔ اس کا منہ بند رکھنے کے لئے داتو سری عبدالرحمٰن اس کو سالانہ بھاری رقم دیتے تھے۔ مگر ان کے انتقال کے بعد جب صوفیہ کو معلوم ہوا کہ اس کا باپ اس عورت کے ہاتھوں بلیک میل ہوتا تھا تو اس نے وہ پیسے بند کروا دیے۔ نیلوفر ان پیسوں کے علاوہ بھی متعدد حکومتی فیورز لیتی رہی تھی کیونکہ اس کے پاس ایک ترپ کا پتہ تھا۔''

''صوفیہ کے باپ کے ساتھ گزرے تین سال۔ آئی گیٹ اٹ۔ آئی گیٹ اٹ۔'' وہ ان تفصیلات سے بور ہونے لگا تھا مگر تالیہ نے بات جاری رکھی۔

''بالکل۔اس کے پاس ان تین سالوں کی یادیں تھیں اور وہ ایک کتاب لکھ کے عبدالرحمن پہ کیچڑ اچھال سکتی تھی۔لوگ یقین کریں یا نہ کریں' ایسی کتابیں عزتیں اچھالتی ہیں اور اسکینڈل بنتے ہیں۔عبدالرحمن یہ نہیں چاہتے تھے اس لئے اس سے ڈرتے رہے۔نگران کی موت کے بعد نیلوفر کو پیسے دینے کا سلسلہ رک گیا۔صوفیہ اور نیلوفر کے درمیان اتنی نفرتیں حائل تھیں کہ وہ اس عورت کو ایک پائی دینے سے بھی انکاری رہی۔نیلوفر نے پہلے بہت شور مچایا پھر خاموشی اختیار کر لی۔دو سال پہلے اس نے ایک کتاب لکھنی شروع کی اور اب تین چار ماہ قبل اس نے اپنے دوستوں کے سرکل میں اس بات کو ظاہر کیا کہ اگلے ماہ جب الیکشن کمپین شروع ہوگی' وہ اپنی کتاب کو منظر عام پہ لا کے صوفیہ کو تباہ کر دے گی۔''

''ہوں۔تو صوفیہ کیا چاہتی ہے؟''

''یہی کہ میں اس کتاب کو اس کے ذہن سے یوں چراؤں کہ وہ اسے کبھی لکھ نہ سکے اور اس کا منہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔''

''تو صوفیہ اسے گولی مروا دے۔سمپل۔''

جواب میں تالیہ نے ناپسندیدہ نظروں سے اسے گھورا۔

''صوفیہ رحمٰن سیاستدان ہے۔قاتل نہیں۔اسے اپنے ہاتھ صاف رکھنے ہیں۔''

''کیوں؟اس نے اپنے مخالف سیاستدان کی بیٹی کو بھی تو مروایا تھا۔''وہ شانے اچکا کے بولا تو تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''وہ صرف ایک الزام ہے مگر دیکھو اس کی سزا وہ ابھی تک بھگت رہی ہے۔ایک اور قتل اپنے سر کیوں لے؟''

''ہوں۔انٹرسٹنگ۔لیکن تم تو اس کے مخالف کیمپ سے ہو۔تم اس کی مدد کیوں کر رہی ہو؟''

تالیہ کے چہرے پہ ایک دم برہمی ابھری۔

''میں کسی کے کیمپ میں نہیں ہوں۔''وہ تیزی سے بولی۔''میں صرف اپنی مدد کر رہی ہوں۔''

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے جہان نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''شاید تم اپنے لیڈر سے ناراض ہو۔میرا مشورہ مانو تو اس کتاب کو آنے دو۔تمہارا لیڈر آسانی سے جیت جائے گا اور تم خود....''تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچا۔''...تم بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔رہی نیلوفر تو وہ کسی صورت کتاب نہیں روکے گی۔''

''کیا میں نے تم سے مشورہ مانگا ہے؟''

جہان نے شانے اچکائے۔''مفت تھا۔''

''تم بتاؤ تم میری مدد کرو گے یا میں خوامخواہ تمہیں برداشت کر رہی ہوں؟''وہ سنجیدگی سے بولی۔

اس نے گہری سانس لی اور تالاب کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔" ویل .... مجھے اور تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔صوفیہ رحمٰن کو چاہیے کہ نیلوفر کو پیسے دے دے۔"

" اب دیر ہو چکی ہے۔اس نے خاندان والوں کے سمجھانے پہ ایک دفعہ کوشش کی لیکن نیلوفر بخت کی نفرت بہت بڑھ چکی ہے۔اگر دوبارہ آفر کی تو نیلوفر اس آفر کو سرِ عام ایکسپوز کر کے ظاہر کرے گی کہ اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔یوں لوگ مزید اس کی کتاب کا یقین کریں گے۔"

" تو اس کو ڈرائیں۔جان کی دھمکی دیں۔اس کا کوئی ویک پوائنٹ ڈھونڈ کے...."

" بلیک میلنگ اس کو خاموش کروا سکتی ہے جس کے پاس کھونے کو کچھ ہو۔نیلوفر ایک بدنام عورت ہے۔سارے ملائیشیا کو معلوم ہے کہ اب تک وہ عبدالرحمٰن کے پیسے پہ عیش کر رہی تھی۔اس کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہے' وہ مہنگے اسکول میں پڑھتی تھی۔بیٹا امریکہ میں بورڈنگ میں داخل تھا۔لیکن جب پیسہ کم ہوتا گیا تو نیلوفر نے عبدالرحمٰن کے خلاف چھوٹے موٹے انٹرویو دینے شروع کیے۔یہی اس کا ذریعہ معاش ہیں۔وہ بہت سے مردوں کے ساتھ گھومتی ہے۔اس نے عزت کھو دی ہے۔اب وہ کس چیز کے لئے ڈرے؟"

" وہ اتنی بدنام ہے تو لوگ اس کا یقین کیوں کریں گے؟"

" کیونکہ لوگ لوگ ہوتے ہیں۔" وہ زخمی سا مسکرائی۔" انہیں sensational مسالے دار چیزیں دلچسپ لگتی ہیں' چاہے سامنے والے کی عزت تباہ ہو جائے۔سرِ عام بدنام ہونے سے سب ڈرتے ہیں۔"

"Hell hath no fury like a Woman scorned." اس نے تبصرہ کیا۔

" اس لئے اس کو بلیک میلنگ خاموش کرا سکتی ہے نہ پیسہ دے کر اس کا منہ بند کیا جا سکتا ہے۔کوئی تیسرا حل کر کے اس کتاب کو روکنا ہوگا۔"

" تم بار بار ان درختوں کو کیوں دیکھ رہی ہو؟ وہاں کوئی ہے کیا؟" اس نے گردن موڑ کے تالیہ کی نظروں کے تعاقب میں دور کھجور کے درختوں کو دیکھا اور پھر واپس تالیہ پہ مشکوک نظریں جما دیں۔

" تمہیں کیا میں جہاں بھی دیکھوں۔تم نے میری بات غور سے سنی بھی ہے یا نہیں؟"

ٹیک لگا کے بیٹھے جہان نے کندھے اچکائے۔پی کیپ کے سائے میں بھی اس کی گہری بھوری آنکھوں میں چھائی سوچ پہ دیکھی جا سکتی تھی۔" مجھے سمجھ میں آ گیا ہے سب۔مگر پلان کیا ہے؟"

" تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔" وہ گردن کڑا کے بولی۔" تم مجھے نیلوفر کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے

دو۔ مجھے اس کے گھر کے پتے اور فون نمبر کے علاوہ دولت صاحب نے کچھ نہیں دیا۔'' اس نے پرس سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کے میز پہ رکھا تو جہان نے ہاتھ بڑھا کے اسے اٹھایا' پھر کھول کے پڑھا۔ پھر نظریں اٹھا کے غور سے تالیہ کو دیکھا اور کاغذ واپس میز پہ ڈالا۔

''ہو جائے گا۔ صبح ملتے ہیں پھر.... حالم؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سوالیہ انداز میں اس کا نام لیا۔

''تم مجھے تالیہ کہہ سکتے ہو۔ تمہارے برعکس میں اپنے نام اور پیشے کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتی۔'' تیانے والی مسکراہٹ سے اسے دیکھا تو اس نے ایک جتاتی نظر اس پہ ڈالی' منہ میں کچھ بڑبڑایا اور کیپ چہرے پہ جھکاتا آگے بڑھ گیا۔ وہ پتلیاں سکوڑے مشکوک نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

کیا اس نے درست آدمی پہ بھروسہ کیا؟ اگر جو وہ جا کے نیلوفر کو سب بتا دے اور اس سے بھی رقم وصول کرلے؟ ڈبل ایجنٹ؟ مگر خیر.... نیلوفر کے پاس دینے کو کوئی خزانے نہیں تھے۔ اور رہا یہ آدمی تو اس کے متعلق بھی وہ جان جائے گی۔

وہ گردن موڑ کے دوبارہ سے درختوں کے اس جھنڈ کو دیکھنے لگی۔ آس پاس ٹیبلز پہ لوگ بیٹھے کھانے پینے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے مگر وہ.... جوس کے گھونٹ بھرتی ان درختوں پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔

کوئی تھا جو اسے ان درختوں میں چھپ کے دیکھ رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

اس کی آنکھ کسی آواز سے کھلی تھی۔ وہ ایک دم تیزی سے اٹھ بیٹھی اور گھبرا کے ادھر ادھر گردن موڑی۔ وہ اس قید خانے میں تھی جس کا دروازہ سلاخوں سے بنا تھا؟ کیا حقان اسے تفتیش کے لیے بلانے والا تھا؟ اس نے ہاتھ مار کے دیوار ٹٹولنی چاہی جس سے وہ ٹیک لگا کے خود کو محفوظ تصور کرتی تھی مگر قریب میں کوئی دیوار نہ تھی۔ بستر نرم تھا۔ ممبل لیمپ کو ہاتھ لگا تو وہ جل اٹھا۔

تالیہ قاہرہ کے ایک ہوٹل کے بیڈروم میں تھی۔

چند لمحے تک وہ پلکیں جھپکا جھپکا کے اطراف کو دیکھے گئی۔ پھر بصارت ماحول سے آشنا ہوئی تو وہ بستر سے اتری۔ پھر ننگے پیروں سے چلتی کھڑکی تک آئی۔ رات کے اس پہر تالاب کے گرد کرسیاں ویران پڑی تھیں البتہ ساری بتیاں روشن تھیں۔ درختوں کا پراسرار جھنڈ اسی طرح کھڑا تھا۔ تالیہ نے میکانکی انداز میں کھڑکی کی کنڈی کھولی اور دو فٹ کی اونچائی پہ موجود کھڑکی سے ننگے پیر پھلانگ گئی۔ پھر تیز تیز ان درختوں کی جانب چلتی گئی۔

رات کو موسم ٹھنڈا ہو جاتا تھا اور تیز ہوا کے باعث اس کے بال پیچھے کو اڑنے لگے تھے مگر وہ پرواہ کیے بغیر تیز قدم اٹھاتی گئی یہاں تک کہ وہ درختوں کے پاس آ پہنچی۔